جلد 27 شمارہ 3 ماہ مارچ 2025ء رمضان المبارک 1446ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا
صداقت
الله
محبت
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

گوجرانوالہ

فلاحِ آدمیّت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: سید محمد عبداللہ بخاری
0301-7705388

معاون مدیر: شہزاد محمود بخاری
0301-7430525

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ
0333-4552212

شفیق احمد، وحید احمد، پیر خان
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
خالد محمود بخاری
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فہد محمود ، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ❀ ❀ ❀ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

مضمون	مصنف	صفحہ نمبر
پیامِ قرآن وحدیث	ادارہ	1
ندائے عارف	ماجد محمود توحیدی	3
سائنس اور قریب الموت تجربات	کرس کارٹر	13
بیادِ خواجہ ولی محمد توحیدیؒ	سید رحمت اللہ شاہ	18
سلسلہ نقشبندیہ کے پہلے بزرگ	شفیق احمد	26
اسلام، ایمان اور احسان	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	37
رمضان المبارک کے فضائل واحکام	حافظ محمد یٰسین	52
سنت نبوی ﷺ	حکیم محمد سعیدؒ	58

* * *

پیامِ قرآن

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۱۹۰)

اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۱۹۴)

اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۱۹۵)

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ۔

(سورۃ البقرۃ ۲: آیت ۲۰۷)

دوسری طرف انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے اور ایسے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ

حضرت ابو برزہ اسلمیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی نماز سورج ڈھلنے پر پڑھ لیتے تھے۔ عصر جب پڑھتے تو مدینہ کے انتہائی کنارہ تک ایک شخص چلا جاتا لیکن سورج اب بھی باقی رہتا۔ مغرب کے متعلق جو کچھ آپؓ نے کہا وہ راوی کو یاد نہ رہا اور عشاء کے لئے تہائی رات تک دیر کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے اور آپ ﷺ اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد بات چیت کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ جب نماز صبح سے فارغ ہوتے تو ہر شخص اپنے قریب بیٹھے ہوئے کو پہچان سکتا تھا۔ آپ ﷺ دونوں رکعات میں یا ایک میں ساٹھ سے لے کر سو تک آیتیں پڑھتے۔

(کتاب الاذان، صحیح بخاری)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے سے زمین پر گر گئے۔ اس گرنے سے آپ ﷺ کا دایاں پہلو زخمی ہو گیا تو ہم آپ ﷺ کی خدمت میں عیادت کی غرض سے حاضر ہوئے اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا اور آپ ﷺ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ ہم بھی بیٹھ گئے، ہم نے بھی بیٹھ کر نماز پڑھی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ امام اس لیے ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ اس لیے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ جب رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔ جب سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ۔ اور جب وہ **سمع الله لمن حمده** کہے تو تم **ربنا ولک الحمد** کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔

(کتاب الاذان، صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے خبر دی کہ بلند آواز سے ذکر، فرض نماز سے فارغ ہونے پر نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں جاری تھا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں ذکر سن کر لوگوں کی نماز سے فراغت کو سمجھ جاتا تھا۔

(کتاب الاذان، صحیح بخاری)

ندائے عارف

(فرمودات شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب صاحب توحیدی مدظلہٗ)

(ماجد محمود توحیدی)

☆ تحفے تحائف کا آپس میں تبادلہ ہوتے رہنا چاہئے۔ ایسا تحفہ نہ ہو کہ جس سے لگے کہ آپ لوگ ریا کاری کرتے ہیں۔ تحفہ ایسا ہو جو خوش آئند اور دیکھنے میں اچھا لگے، اس کی قیمت بھی ایسی ہو کہ خوشی خوشی دل کی گہرائیوں سے آدمی دے سکے۔ وہ تحفہ کوئی تحفہ نہیں جو بہت قیمتی ہو۔ تحفے میں تو کہتے ہیں کہ تھپکی بھی بہت اچھی بات ہے، وہ ایک تھپڑ بھی بہت ہوتا ہے۔ ایسا ہلکا پھلکا تحفہ دیا کرو جس سے آپ پر وزن بھی نہ پڑے اور ہمیشہ یاد بھی رہے کہ مجھے میرے بھائی نے تحفہ دیا ہے۔ ایسی باتوں کا ضرور خیال کیا کریں۔ قیمتی چیز وقتی طور سے تو لینے والے کو اچھی لگتی ہے، دینے والے پر بوجھ پڑ جاتا ہے۔ آج کل تو حالات اور زیادہ خراب ہیں۔ یہ چند باتیں مقرر ہیں کہ ان باتوں پر عمل کریں۔ اس سے آپ پر وزن نہیں پڑے گا۔ ایک تحفے کا ہے، دوسرا تیمارداری کا ہے۔

آپ کہیں تیمارداری کرنے جاؤ تو تیمارداری کا بھی ایک طریقہ ہے۔ یہ نہیں کہ جا کے بیٹھ گئے، بڑا جمان ہو گئے، بیمار کی جان نکل گئی اور خود نہیں ہلے۔ ٹلے نہیں وہاں سے۔ تیمارداری کا طریقہ یہ ہے کہ جا کے بیٹھیں، سلام کلام کریں، اس کے لئے صحت کی دعا کریں، بیمار کی دو چار باتیں کریں اور پھر اجازت لے لیں کہ مجھے اجازت دیں، مجھے بڑا کام ہے۔ بس اجازت لے کے چلے جائیں۔ خوشگوار سا ماحول پیدا کر کے چلے جائیں۔ اب یہ ہے کہ میں تو کہیں چلا گیا پھر اللہ اللہ خیر سلا۔ باقی لوگوں کو بھول جاؤں، کسی نے آنا ہے یا جانا ہے۔ مریض جانے اور اس کو اس وقت تک میں تنگ کرتا ہوں جب تک وہ پیاس کے مارے پانی بھی نہ مانگ سکے۔ بیٹھا رہا۔

حضور اقدس ﷺ نے یہ ملنے ملانے کے کچھ طریقے مقرر کیے ہیں ان پر عمل کریں تو بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ ماحول اچھا رہتا ہے۔ آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ یہ نہیں کہ دوبارہ سے جب جائیں تو مریض پہلے سے ڈر جائے کہ پھر آ گیا۔

☆ آپ ایک دوسرے کی باتیں کریں تو یہ اچھا رویہ نہیں ہے، اپنے رویے بدلائیں۔ پیار دوسروں کی برائیوں کو چھپاتا ہے، پیار دوسروں کو وقت دینے کا تقاضا کرتا ہے، پیار کے بغیر انسان کی زندگی ادھوری ہے۔ آپس میں پیار کرنا سیکھیں، ایک دوسرے کی باتیں ایک دوسرے سے کرنا بند کر دیں، اور پیار کریں، پیار، سب۔ اگر کسی نے آپ سے کوئی بات کی ہے تو اسے بالکل بھول جائیں جیسے کوئی بات ہوئی ہی نہیں ہے۔ ایسے جیسے حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ کسی کا راز آپ کے پاس آ جائے تو اسے ایسے بھول جاؤ جیسے آپ لوہا دریا میں پھینکتے ہیں تو وہ کبھی باہر نہیں نکلتا۔ میرے بچے یہ خیال رکھیں۔

ایک دوسرے کی باتیں ایک دوسرے تک پہنچانا، بڑا مٹھاس ہے اس میں اور اسے ہی غیبت کہتے ہیں۔ اگر آپ لوگ یہ مٹھاس کھانا، چکھنا بند کر دیں اور پیار کرنا سیکھ لیں تو اپنے حلقے کا رنگ پھر دوسرا ہی پاؤ گے۔ حلقے کا رنگ ہی بدل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو حوصلہ دے، ہمت دے، اور ایک دوسرے سے پیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اشفاق احمد نے پوچھا کہ محبوب کو Define کریں تو آپ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے فرمایا کہ محبوب وہ ہوتا ہے جس کی ہر بات اچھی لگے۔ جس کی ہر بات اچھی لگے وہ محبوب ہوتا ہے۔ یہ نشان ہے۔ جب کہا کہ میرے محبوب تو اس کو تو کسی بری بات سے منسوب بھی نہیں کیا جاتا، جو کچھ ہے اچھا ہے اور وہ سب سے اچھا ہے۔ وہی محبوب ہے۔

محبوب بننے کی کوشش کریں، بڑا پیار آئے گا، بڑا پیار ہوگا۔ سب گلے شکوے بھی دور ہو جایا کریں گے، اور بہت بڑے گناہ سے بھی بچ جائیں گے۔ اسی کو اللہ میاں نے منع کیا ہے۔ یہی غیبت ہے کہ تم کوئی ایسی بات جو کسی آدمی میں ہو وہ کسی اور سے بولو تو یہ غیبت ہے۔ اگر وہ بات اس میں ہو بھی نہیں تو اس پر آپ بات کریں تو وہ بہتان بن جاتا ہے۔

غیبت کے متعلق یہ ہے کہ ایسے ہے جیسے آپ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھا رہے ہیں۔

لا حول ولا قوۃ ۔ اللہ معاف کرے اتنا بڑا گناہ ہم اپنے سر ہنستے کھیلتے لے لیتے ہیں اور پرواہ بھی نہیں ہوتی، احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم نے اپنے ساتھ کیا کر دیا ہے۔ یہ اتنی بڑی باتیں ہمیں سمجھ ہی نہیں آتیں، احساس بھی نہیں ہوتا اور کر جاتے ہیں۔

یہ جھوٹ بولنا۔ جھوٹ ہمیں اسلام سے خارج کر دیتا ہے لیکن ہمیں احساس تک نہیں ہوتا۔ حضور اقدس ﷺ نے دوٹوک فرمایا کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا۔ اس کا مطلب ہے کہ جو جھوٹ بولتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔ یہ ایسی چھوٹی چھوٹی مگر اتنی زبردست باتیں ہیں کہ جس سے آپ کی اندرونی کیفیت ہی بدل جاتی ہے اور یہ منافق کی نشانی ہے۔ جھوٹ بولنا۔ وعدہ خلافی کرنا۔ وعدہ خلافی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا۔ (سورۃ الاسراء ۱۷۔ آیت ۳۴)

پوچھا جائے گا تم سے قیامت کے دن کہ تم نے وعدہ کیا تھا، پورا کیوں نہیں کیا۔ اسی طرح خیانت ہے۔ خیانت صرف مال کی خیانت نہیں ہے۔ کسی راز کی بھی خیانت ہو سکتی ہے، اپنے دفتر کے کسی کام کی بھی خیانت ہو سکتی ہے، کسی کا راز فاش کر دیا وہ بھی خیانت ہو جاتی ہے۔ ایسی ساری خیانتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔

اب یہ تین چیزیں ایسی ہیں، جھوٹ، وعدہ کا پاس نہ رکھنا اور خیانت کرنا۔ یہ منافقت کی نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے ہم سب کو بچائے۔ شکر ہے ہمارے بھائیوں میں **الحمد للہ** یہ عادت نہیں ہے۔ بڑے اچھے ہیں لیکن پھر بھی اللہ میاں نے شیطان ہمارے ساتھ لگایا ہوا ہے، ہم کہیں نہ کہیں چوک جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کریں اور اللہ کی پناہ میں رہیں تاکہ ان خرافات سے بچے رہیں۔ یہ بڑی ضروری بات ہے۔

نیکیاں کرنے کے ساتھ ساتھ گناہوں پر اپنی نظر رکھیں۔ ان سے بچنے کی کوشش کریں تو اس سے عمل دوآتشہ ہو جاتا ہے، اللہ کے فضل و کرم سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے اور انسان خوش بھی رہتا ہے۔ گناہوں سے بچا لیا تو سمجھو انسان نے اپنے آپ کو آلودگی سے بچا لیا، پھر ہر طرف صفائی ہی صفائی رہے گی۔ آلودگی نہیں ہو گی۔ اور اگر ساتھ وہ بھی مسئلہ چلتا رہا تو پھر Mixture ہی Mixture ہوگا، صفائی سے چمک نہیں آسکے گی۔ اس لئے چمک پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

یہ دل جو ہے یہ خالص چیز مانگتا ہے۔ اسے خلوص چاہئے۔ خلوص کا وہاں دیا جلایا کریں ان شاء اللہ اللہ بہتر کرے گا۔ تھوڑے ہی دنوں میں آپ بہت اچھے ہو سکتے ہیں۔ برائیوں سے بچیں۔ برائی، برائی ہے۔ معمولی سا گند بھی سفید کپڑے پر لگ جائے تو دور سے نظر آتا ہے۔ اس لئے برائی برائی ہے، یہ چھوٹی ہو، بڑی ہو، ان سب سے بچنے کی کوشش کریں۔ اللہ سب کے لئے آسانی پیدا فرمائے، اللہ سب پر اپنا فضل فرمائے اور اپنے اخلاق کو سدھارنے کی توفیق اور حوصلہ عطا فرمائے۔

☆ ہفتہ وار حلقۂ ذکر کا بڑا فائدہ ہے۔ جو روزانہ کا ذکر ہے وہ کریں، وہ تو سونے پہ سہاگہ ہے مگر یہ ہفتہ وار حلقۂ ذکر کا بھی اتنا اثر ہوتا ہے کہ ہفتہ بھر کم از کم انسان برائی سے بچ جاتا ہے۔ اگلے ہفتہ پھر پہنچ پاتا ہے۔ اس لئے یہ اللہ کی دین ہے جسے دے دے۔

آپ لوگ خوش قسمت ہیں جن کو یہ توفیق اللہ نے دی ہوئی ہے کہ وہ ان کو اپنی یاد کا وقت دے دیتا ہے، اپنی یاد کا ماحول اور موقع پیدا کر دیتا ہے اور الحمدللہ، الحمد للہ بھائی اس موقع کو Avail کر لیتے ہیں۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ یہ تو مرنے کے بعد پتا چلے گا کہ ہم کیا کرتے رہے ہیں۔ اب اس وقت پتا نہیں چلے گا۔ اس وقت تو جو آدمی ذکر کر کے نکلتا ہے اس میں اور جو شراب خانے سے نکلتا ہے، اکٹھے ملتے ہیں تو کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دونوں انسان ہوتے ہیں، آپس میں ملتے ہیں لیکن یہ اللہ کے ہاں ہے کہ جو ذکر کر کے نکلا ہے اس کا کیا مقام ہے اور جو شراب پی کے نکلا ہے اس کا کیا حال ہے، اس کی کیا حالت ہے، یہ اللہ جانتا ہے۔ اس لئے اللہ سے نیکی کی دعا کریں، برائیوں سے بچنے کی دعا کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور اپنی یاد سے نوازے۔

☆ موت ایک حقیقت ہے۔ جو بھی اس دنیا میں آتا ہے اسے واپس لوٹنا پڑتا ہے۔ اس کے لئے ذہنی طور سے تو ہر مسلمان خاص طور سے تیار ہی ہے۔ جب بلاوا آ جائے تو بس تیار ہی ہے۔ اس کی تیاری کرنی چاہئے اور کرنی پڑتی ہے تاکہ Welcome کرنے والے بھی ہوں اور وہاں پر Welcome ہو تو جس نئی زندگی سے واسطہ پڑے اس کو قبول کرنے کی ہمت بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کو یہ ہمت دے، حوصلہ دے اور یہ احساس زندہ رہے کہ ہم مسافر ہیں، ہمارا سفر کب ختم ہو گا اس کا

پتا نہیں ہے۔ اللہ میاں نے وہ خفیہ رکھا ہوا ہے لیکن جب آتا ہے تو پھر ٹلتا نہیں ہے، پھر وہ آ کے رہتا ہے۔ سب اپنی تیاری کریں، تیاری کرنی چاہئے اور کرنی پڑتی ہے۔

اگر لمبے سفر پر جانے کا ارادہ ہے تو پھر تیاری ابھی سے شروع کر لیں۔ اللہ تعالٰی سب کو ہمت دے، حوصلہ دے۔ یہ احساس دوسروں کو بھی کرانے کی کوشش کریں خصوصاً اپنے گھر والوں کو، اپنے پڑوسیوں کو، اپنے رشتہ داروں کو، سب کو یہ احساس دلائیں کہ ہم یہاں عارضی طور پر ایک دوسرے سے پیار کرنے کے لئے آئے ہیں اور بالآخر ہم نے یہاں سے بچھڑنا ہے اس لئے ہم ایک دوسرے کے ساتھ پیار کی انتہا کر دیں تاکہ ہمارے ایک کے جانے کے بعد باقی سب اسے یاد کرتے ہی رہیں۔

اب احمد رضا خان مرحوم یہاں سے گئے، حلقے میں وہاں لوگ جو تھے اور جو دعا میں آئے ہوئے تھے ان میں کوئی ایسا نہیں تھا جو اس کی باتوں میں رطب اللسان نہ ہو۔ ہر آدمی اپنے طور سے، اپنے اپنے طور پر جو جو بات اس کے ساتھ نہیں کی تھی وہ اس کو یاد کرتا تھا اور روتا تھا، سب رو رہے تھے۔ ایسا ماحول تھا، یہ صرف اس کے پیار کی وجہ سے تھا۔ اس نے سب کو پیار دیا تھا۔ ہمارے ڈرائیور کی بیگم وہاں اندر گئی تھی، مجھے رپورٹ ملی تو وہ یہ تھی کہ وہاں خواتین بھی آپس میں رو رہی تھیں کہ ہمارا ایک ہی بھائی تھا جو ہمیں چھوڑ کے چلا گیا۔ محلے کی عورتیں، محلے کے لوگ جتنے بھی تھے اسے یاد کرتے تھے اور جونہی یاد کرتے تھے بس رونا شروع کر دیتے تھے۔ ایسی زندگی گزارنی چاہئے کہ مرنے کے بعد لوگ کہیں کہ جو تھا ہمارا ہمدرد، ہمارا دوست وہ ہمیں چھوڑ کے چلا گیا۔ ایسی زندگی گزاریں۔ جینا بھی وہ ہے جو دوسروں کے لئے آدمی جئے، اپنے لئے تو سارے جیتے ہیں۔ دوسروں کے لئے جئیں تاکہ زبان خلق نقارہ خدا بنے اور آپ لوگوں کا عمل آپ کے مرنے کے بعد بھی آپ کے لئے فائدہ مند ثابت ہو۔

☆ اس بات کو مدنظر رکھیں کہ بیکار نہیں رہنا۔ متحرک رہا کریں۔ انصاری صاحب کو بیکار رہنا بہت برا لگتا تھا۔ کہتے تھے کہ زندہ ہو تو زندہ آدمی بیکار کیسے رہ سکتا ہے۔ بابا جی ڈار صاحب ہمیں سنایا کرتے تھے کہ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ آدمی بالکل اچھا نہیں لگتا جو بیٹھا ہوا ہے، نہ اللہ کا، دین کا کام کرتا ہے نہ دنیا کا کام کرتا ہے۔ فرماتے کہ مجھے وہ آدمی بالکل پسند نہیں ہے۔ وہ خود بھی

متحرک انسان تھے اور وہ سب کو اسی طرح حرکت میں دیکھنا چاہتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ زندگی کے ہر لمحے کچھ نہ کچھ بکھیرتے رہو، کسی دن ایک باغ لگا پاؤ گے۔ یہ وقت ایسا معمولی نہیں ہے۔ اس کو اگر آپ استعمال کریں تو یہ آپ کو ویسے نہیں چھوڑے گا۔ آپ کو واقعی کسی نہ کسی دن باغ لگا ہوا ملے گا۔

☆ یہ ذکر جو آپ کرتے ہیں یہ تو اللہ سے پیار ہوا۔ اللہ کی مخلوق سے پیار کرنے کا وقت نکالا کریں۔ اس سے فائدہ یہ ہے کہ آپ کا عمل دو آتشہ ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ اللہ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور آپ کو ہر طرح کی مراعات سے نوازے۔

☆ سوال پوچھا گیا کہ بیعت کسی مقصد کے لئے مرشد اور مرید کا باہمی معاہدہ ہوتا ہے۔ اس مقصد میں کامیابی یا ناکامی کی ذمہ داری مرشد اور مرید پر کس قدر رہوتی ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

جو باہر ہے وہ ظاہر ہے۔ یہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں ہے۔ نتائج ہمیشہ عمل سے نکلتے ہیں اور عمل کا کرنا زیادہ تر مرید کے ذمہ ہی ہوتا ہے۔ مرشد نے تو اس کے عمل پر نظر رکھنی ہوتی ہے اور جہاں کہیں ضرورت پڑے اس کی مدد کرنا ہوتی ہے۔ کام تو سارا مرید نے کرنا ہوتا ہے۔ اگر مرید اپنا فرض سمجھ کے جو عمل اس کے ذمہ لگایا ہے اس میں پوری تندہی سے، شوق سے، خلوص سے، اس کی تابعداری میں رہتے ہوئے عمل کرتا ہے تو عمل کی جو اچھائی ہے اس کا کریڈٹ اسے ہی ملتا ہے اور اسے اللہ تعالی سرخرو کر دیتا ہے۔ خدانخواستہ معاملہ دوسری طرف ہے تو پھر اس کا نقصان بھی اسے ہی ہوتا ہے۔

مرشد تو گواہ ہے، سلطانی گواہ ہے اور وہ اپنی گواہی جس حد تک اس کی ڈیوٹی ہوتی ہے، اس کی وہ گواہی سو فیصد اس کو دینی پڑتی ہے کیونکہ جس کے سامنے گواہی دینی ہے وہ عالم الغیب ہے، وہاں جھوٹ نہیں بولا جا سکتا۔ وہ پوری دیانت داری سے جب اس سے پوچھا جائے گا تو وقت پر اس کی گواہی دے گا اور اس وقت جو فرائض اور ڈیوٹیاں مرید پر لگائی گئی ہیں ان پر عمل کرنا اسی کی ذمہ داری ہے اور اس کے نتائج اسے ہی ملیں گے۔

☆ پیار محبت کی بات چلی تو اس پر فرمایا:

اس میں ایک ذرا بنیادی شرط ہے کہ عام دنیاداروں سے جو پیار محبت کسی وقت بھی جو ہے یہ فضول نہیں ہے، سب جگہ ہے لیکن اللہ اور نبی اکرم ﷺ کے بعد سب سے زیادہ محبت مرشد سے، اس سے خاص پیار کرنا ضروری ہے۔ اس میں کسی قسم کی شک وشبہ کی یا کسی سستی کی گنجائش نہیں ہے، یہ نہیں ہے کہ چلو آج نہیں کل سہی یہ کام کریں گے۔ یہ نہیں ہوتا۔ اس کا تقاضا ہے کہ جو بات مرشد نے کی ہے یا وہ کر رہا ہے، اس پر وہ آنکھیں بند کر کے عمل کرنا شروع کر دے۔ یہ بہت ضروری ہے۔ اسی سے خلوص جھلکتا ہے اور اسی سے آپ کی خواہش میں بھی زیادتی ہوتی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ مرشد سے پورے خلوص کے ساتھ اور پیار کے ساتھ اس کا کہنا مانا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ اس کی تعلیم پر عمل کیا جائے۔ اس میں کسی قسم کی سستی کرنا، اپنے آپ کو نقصان میں ڈالنا ہوتا ہے۔ کیونکہ آج کسی ایک بات میں سستی کرو گے، کل کسی دوسری بات میں ہو جائے گی تو یہ کرتے کرتے معاملہ ہی سارا صاف ہو جائے گا۔ جیسے قرآن میں دین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

ادْخُلُوْا فِیْ السِّلْمِ كَآفَّةً. (سورۃ البقرۃ ۲: آیت ۲۰۷)

کسی شعبے کو پیچھے مت چھوڑنا، ہر شعبے میں دین کے اندر پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

یہ ہر جگہ کا اصول ہے۔ ہر جگہ جہاں بھی آپ نے اپنے آپ کو Commit کیا ہوا ہے یہ وہاں کا اصول ہے کہ جس تعلیم میں، جس کام میں آپ داخل ہوئے ہو اس پر پورے کے پورے عمل کرو۔ اس میں کوئی شعبے مت قائم کرو کہ اس شعبے میں عمل کیا تو ٹھیک ہے ورنہ کام چل جائے گا، دوسرے میں کرلیں گے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ ہر شعبے میں پورا پورا عمل کرنا لازمی ہے۔ یہ سو فیصد تقاضا کرتا ہے۔ انصاری صاحبؒ کو رسالدار صاحبؒ نے یہی کہا تھا کہ میرے تین پرچے ہیں، ان میں سے ہر ایک میں سو فیصد نمبر میں چاہتا ہوں، اگر کم نمبر ہوئے تو میں آپ کو ساتھ نہیں لوں گا۔

سو فیصد عمل ہی ضروری ہوتا ہے۔ اگر سو فیصد عمل کریں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ کو مراد نہ ملے۔ اللہ نیک لوگوں کی نیکیاں برباد نہیں کرتا۔ وہ بڑا ہی رحیم وکریم ہے اور انسان جس کا مستحق ہوتا ہے، اس سے کہیں زیادہ دیتا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ آپ کے خلوص کا لیول کیا ہے، آپ کی طلب کا لیول کیا ہے، بس اس کے مطابق اللہ تبارک وتعالیٰ دلوں کا مالک ہے، وہ پھر دیتا ہے۔

☆ بابا جی (انصاری صاحبؒ) نے کوئی بھی بات نوٹ کرائے بغیر، یاد دہانی کرائے بغیر نہیں چھوڑی۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ ہمارے بہت سے بھائیوں نے طریقت توحیدیہ کا وہ Chapter جس میں بیعت ہونے کے بعد جو فرائض ہیں وہ کیا ہیں؟ لکھا ہے، وہ پورا نہیں پڑھا۔ اگر وہ پڑھ لیں تو انہیں پتا چل جائے کہ بابا جیؒ نے کوئی بات نہیں چھوڑی۔ اس میں کیا کیا ہے؟ کیسے ہوسکتا ہے؟ کیا ہوسکتا ہے؟ وہاں کیا کرنا چاہئے؟ یہ سب لکھا ہوا ہے۔ بیعت ہونے کے بعد انسان بالکل نیا انسان بن جاتا ہے۔ یہاں سے بات شروع ہوتی ہے اور پھر کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو اس مرید کے لئے یا اس نئے بیعت ہونے والے کے لئے آئندہ زندگی میں ضروری ہو اور وہ اس میں نہ ہو۔ سب نوٹ کیا ہے۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے، انہوں نے ہمارے سامنے ہر قسم کے دروازے کھول کر رکھ دیئے ہیں، ہم نے صرف عمل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے۔

☆ انصاری صاحبؒ خود بھی ایسے تھے اور انہوں نے یہی سکھایا تھا کہ اپنے پیر بھائی سے اپنے سگے بھائی سے بھی زیادہ پیار کرو۔ ایک دفعہ نوشہرہ ورکاں میں اجتماع ختم ہوا۔ بابا جیؒ کا بھی ایک اصول تھا کہ جس وقت لوگ رخصت ہونے لگتے تو درمیان میں کرسی رکھ کے بیٹھ جاتے تھے۔ لوگ آتے تھے اور ان کے پاس نہیں جاتے تھے، ارد گرد کھڑے ہو جاتے باری باری، پورا ایک گول دائرہ بن جاتا تھا۔ اس دن بھی ایسا ہی ہوا۔ بابا جی سر جھکائے ایسے بیٹھے تھے۔ سب ایسے خاموش، سب کے دل ابلے ہوئے، رخصت ہو رہے ہیں۔ پیار پیار میں جب ایک دوسرے سے رخصت ہوتے ہیں تو بڑا عجیب منظر ہوتا ہے۔ بابا جیؒ نے آخر سر اٹھایا۔ سب جمع تھے، دائرہ مکمل تھا۔ سر اٹھایا تو فرمایا کہ آپ کو پتا ہے کہ تم لوگ یہاں کیوں آتے ہو؟ کیوں یہاں میرے پاس آتے ہو؟ کسی نے کیا بولنا تھا، سب ابلے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ لوگ اس لئے آتے ہیں کہ مجھے تم سے پیار ہے۔ اندازہ لگاؤ۔ آپ لوگ یہاں اس لئے آتے ہیں کہ مجھے تم سے پیار ہے۔ اس دعوے سے انہوں نے کہا۔ یہ نہیں کہا کہ تمہیں مجھ سے پیار ہے اس لئے پیار کی وجہ سے آتے ہو۔ نہیں۔ آپ نے کہا کہ اس لئے آتے ہو کہ مجھے تم سے پیار ہے۔

یہ پیار کا ہی نتیجہ ہوتا ہے کہ جب ایک طرف پیار ہوتا ہے تو دوسری طرف خودبخود پیار ہو جاتا ہے، یہ ایسی چیز ہے۔ یہ دو آتشہ ہے۔ ایک کے دل میں پیار ہے تو دوسرے کے دل میں پیار کا پیدا نہ ہونا ناممکن ہے۔ شرط یہ ہے کہ یہ پیار خلوص والا ہو کہ آپ بغیر کسی غرض و غایت کے اس کے ساتھ پیار کر رہے ہیں۔ آپ کا پیار اگلے کو مجبور کر دے گا کہ وہ آپ کے ساتھ بھی کم از کم ویسا پیار کرے جتنا آپ کرتے ہیں ورنہ زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ پیار کا تقاضا ہی یہ ہے کہ پیار ایسا ہوتا ہے۔ ہمیں ایک دوسرے سے پیار کرنا چاہئے، ایک دوسرے کی برائیوں کو اجاگر کرنا یا ان کو کہیں آگے ترسیل کرنا یہ نہایت گھٹیا حرکتیں ہیں۔ یہ غیبت ہے۔ یہ حرکتیں کہیں بھی نہیں کرنی چاہئیں بلکہ اگر کہیں آپ کو کسی کی کوئی منفی بات نظر آ جائے تو اس کو ایسے بھول جاؤ کہ یہ بات آپ نے کسی سے سنی ہی نہیں ہے۔ کسی سے بیان کرنا تو دور کی بات ہے۔ ایسے کریں کہ جیسے ہم نے یہ بات سنی ہی نہیں ہے۔ تو بس آہستہ آہستہ اگلے کا دل بھی صاف ہوتا رہے گا اور معاشرہ بالکل آپ کے لئے، کم از کم آپ کی جو انجمن ہے یا آپ کی جو محفل ہے اس میں سے یہ گند خارج ہو جائے گا اور آپ صاف ستھرے نتھرے ہوئے رہ جائیں گے۔

ہر بھائی اپنی اپنی جگہ پر یہ کوشش کرے کہ اپنے بھائیوں کی کوئی بات پتا چلے تو اسے پہلو کے نیچے دے دیں، کسی سے اس کا ذکر تو درکنار، خود بھی یاد نہ کرے اور خود اس سے پیار کرنے کیلئے قدم بڑھائے، یہ ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح پیار بڑھتا رہے گا اور آپ لوگ پورے معاشرے میں اپنے سلسلے کا Symbol بن جائیں گے، نشان بن جائیں گے۔ یہ بہت ضروری باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے، میری ان گزارشات پر عمل کریں۔ یہ وہی تعلیم ہے جو انصاری صاحبؒ نے ہمیں دی ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ ہمیں عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہم توحیدیوں کا آپس میں جو پیار ہے یہ اللہ کے ساتھ پیار سے مشروط ہے۔ یہ یاد رکھیں۔ اگر ہماری نظروں سے اللہ اوجھل ہو گیا تو پھر ہم آپس میں پیار کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ ہم ایسے ہی ہوں گے جیسے عام لوگ ہیں۔ ہمارا پیار اللہ کے پیار کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر ہم اللہ کے ساتھ پیار کر رہے ہیں اور ہم اللہ کی یاد کر رہے ہیں تو اللہ جو اپنی مخلوق سے ایک سگی ماں سے ستر گنا زیادہ پیار کرتا ہے وہ اپنی مخلوق کو کیسے نظرانداز کر سکتا ہے؟ یہ اللہ کے اس پیار کی وجہ سے ہے جو اسے اپنی مخلوق

سے ہے، اس آدمی کو بھی جو اللہ سے پیار کرتا ہے، یہ پیار اپنی لپیٹ میں لے لے گا اور یہ سارے اللہ کے فضل سے یک جان دو قالب ہو جائیں گے۔ یہ اللہ کے پیار کا ہی نتیجہ ہوگا جیسے انصاری صاحبؒ نے کہا تھا کہ تم لوگ اس لئے یہاں آتے ہو کہ مجھے تم سے پیار ہے۔ بالکل اسی طرح جب اللہ کے پیار کے ساتھ آپ لوگ آپس میں منسلک ہو جائیں گے، اس شرط کو پورا کرلیں گے کہ ہم اللہ سے پیار کرتے ہیں تو مخلوق سے پھر لازمی پیار ہو جائے گا۔ یہی وہ چیز ہے جو اور کسی کو میسر نہیں ہوتی، یہ صرف اللہ والوں کو ہی میسر ہوتی ہے۔

☆ محفل میں شریک بھائی نے بتایا کہ ان کے حلقۂ ذکر میں شرکت کرنے والے ایک بھائی نے ان کے وعظ و نصائح سے بہت سکون محسوس کیا۔ اس پر فرمایا:

یہ حدیث مبارکہ ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ ذکر کرتے ہیں وہ ایسے ہیں جیسے زندہ۔ وہ لوگ جو اللہ کی یاد سے غافل ہیں، ذکر نہیں کرتے، وہ ایسے ہیں جیسے مردہ۔ حضور ﷺ کا فرمان تو تیر بہ ہدف ہے اس میں تو کوئی شک و شبے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ ہم سب کو اس پر اپنا ایمان کامل رکھنا چاہئے۔ جہاں تک آپ کے کہنے سے حضرت پر سکون طاری ہوا تو وہ بھی اللہ کا ہی فیصلہ ہے۔ اللہ نے اس چیز کو اپنے ذکر سے مشروط کر رکھا ہے:

أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوب. (سورۃ الرعد ۱۳۔ آیت ۲۸)

ذکر ہی سے سکون قلب مشروط ہے۔ سکون اُسی کو ملے گا جو اللہ کو یاد کرے کیونکہ اُسی سے سکون ملتا ہے۔ یہ باتیں ایسی ہیں جو گا ہے بگا ہے اپنا ثبوت ہمیں دیتی رہتی ہیں۔ اگر ہم لوگ خیال کریں تو یہ خود اپنا ثبوت دیتی ہیں کہ یہ ہم پر کس چیز کا اثر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی یاد سے نوازے اور ہم اللہ کی یاد میں مصروف ہو جائیں۔ اپنے بھائیوں کو یاد کرائیں اور دوسروں تک یہ تعلیم پہنچانے کی کوشش کریں۔ اللہ ہمیں ہمت دے، حوصلہ دے اور یہ شوق پیدا کرے۔

(آن لائن محفل مورخہ ۲۴ دسمبر ۲۰۲۳ء کی گفتگو سے اقتباسات)

سائنس اور قریب الموت تجربات

(کیا شعور دماغ پر منحصر ہے؟ دوسرا حصہ: شک کنندگان کے اعتراضات)

(مصنف: کرس کارٹر)

ترجمہ: سید رحمت اللہ شاہ

کچھ جدید فلسفی اب بھی یہ دلیل دیتے ہیں کہ طبعی شواہد منتقلی کے مفروضے کے خلاف ہیں اور پیداوار کے مفروضے کے حق میں ہیں۔ یہ الجھن حال ہی میں پال ایڈورڈز (Paul Edwards) کی تحریروں میں دیکھی گئی ہے، جو مادیات کا معروف فلسفی ہے، اور وہ اپنی دلیل کی شروعات اس بیان سے کرتا ہے: ”سب سے وزنی دلیل جو تناسخ کے بطلان میں ہے، وہ شعور کے جسم پر انحصار کی ہے اور خاص طور پر دماغ پر۔۔۔ اور اگر وہ درست ہے تو بقا کے اکثر دوسرے عقائد کو بھی نقصان پہنچاتی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ دماغ کی فزیالوجی سے ملنے والے شواہد کا موازنہ پیراسائیکالوجی کے شواہد سے کیا جائے۔ میری رائے میں، میں یہ نہیں دیکھتا کہ کوئی معقول شخص کسی طرح پہلے والے شواہد کو کہیں زیادہ متاثر کن نہ سمجھے۔

چلئے ایڈورڈز کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں۔ سب سے پہلے، ایڈورڈز، الزائمر کی بیماری کے شکار افراد کے دماغوں کی ایک مختصر وضاحت کے علاوہ، جو ”الزائمر (دماغ کے بھول جانے کی بیماری) کے بارے میں گزشتہ چند سالوں میں رسائل اور مقبول سائنسی ماہناموں میں شائع ہونے والے مضامین سے جمع کی گئی تھی“، فزیالوجی سے کوئی تفصیلی دلائل نہیں پیش کرتا۔ اس کے بجائے، وہ اپنے مادیات کے فلسفی ساتھی کولن میک گن (Colin McGinn) پر الزام ڈالتا ہے، جسے ایڈورڈز اس بات کا حوالہ دیتے ہوئے نقل کرتا ہے کہ نیورولوجی کے حقائق ”مضبوط طور پر ثابت کرتے ہیں۔۔۔ کہ دماغ کے بارے میں ہر چیز، حسی-موٹر کے کنارے سے لے کر خود کے اندرونی احساس تک، دماغ کے ذریعے باریکی

سے کنٹرول کی جاتی ہے: اگر آپ کے دماغ میں کچھ کیمیکلز کی کمی ہو یا وہ مقامی طور پر متاثر ہو جائے تو آپ کا دماغ دراڑوں میں تقسیم ہو جائے گا۔۔۔ اگر دماغ کے کچھ حصے اپنی موجودگی کے لیے دماغ کے حصوں پر انحصار کرتے ہیں تو دماغ کا پورا حصہ بھی ایسا ہی انحصار کرے گا۔ لہٰذا، روح دماغ کے ساتھ مر جاتی ہے، یعنی یہ فانی ہے۔‘‘

میک گن نیورولوجسٹ نہیں ہیں بلکہ فلسفی ہیں، اور اسے اس طرح دلائل پیش کرنے سے گریز کرنا چاہیے تھا۔ اوپر دیا گیا اہم جملہ ہے: ’’اگر دماغ کے کچھ حصے اپنی موجودگی کے لیے دماغ کے حصوں پر انحصار کرتے ہیں، تو دماغ کا پورا حصہ بھی ایسا ہی انحصار کرے گا۔‘‘ یہ بیان منطقی طور پر درست ہے، لیکن میک گن نے بالکل یہ نہیں ثابت کیا کہ ’’دماغ کے کچھ حصے اپنی موجودگی کے لیے دماغ کے حصوں پر انحصار کرتے ہیں۔‘‘ جیسا کہ جیمز نے کہا، ’’نیورولوجی کے حقائق نے صرف اس عمومی طور پر تسلیم شدہ حقیقت کی تفصیلات اور باریکی کو ظاہر کیا ہے‘‘ کہ ’’سوچنے کے مختلف خاص طریقے دماغ کے مختلف حصوں کے افعال ہیں۔‘‘ جیسا کہ جیمز نے سو سال پہلے واضح کیا تھا، اصل مسئلہ اس فعلی انحصار کی نوعیت ہے، یعنی یہ پیداوار کا ہے یا انتخابی منتقلی کا۔ میک گن نے بس فرض کر لیا ہے کہ فعلی تعلق پیداوار کا ہے، اور اس طرح وہ حقائق سے کہیں آگے نکل گیا ہے۔

اس کے علاوہ، میک گن ’’دماغ کے حصوں‘‘ سے کیا مراد لیتا ہے؟ کیا وہ صلاحیتوں، یادوں، یا جذبات کا حوالہ دے رہا ہے؟ دماغ میں نشے یا نقصان سے ہماری ذہنی زندگی پر اثر پڑ سکتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ’’دماغ کے حصے‘‘ اب موجود نہیں ہیں؛ اس حقیقت کے ساتھ ہم آہنگ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صلاحیتیں یا یادیں متاثر ہو گئی ہوں، غیر فعال ہو گئی ہوں، یا ناقابل رسائی ہوں۔

ایڈورڈز الزائمر کی بیماری کے ایک مریض کا کیس پیش کرتا ہے، جو اس کے خیال میں ’’آلہ کے نظریے‘‘ (Instrument theory) کو بے وقوفانہ ثابت کرتا ہے۔ یہ اس کے دوست کی والدہ ’’بیگم ڈی‘‘ کے بارے میں ہے، جو الزائمر سے پہلے ’’شائستہ اور خوش اخلاق‘‘ تھی، جس کا نرسنگ ہوم میں انجام ہوا اور وہ بیماری کے آخری مراحل میں نہ صرف اپنی بیٹی کو پہچانتی تھی، بلکہ وہ متشدد بھی ہو گئی۔

> اب دیکھتے ہیں کہ بقا کے نظریہ کے حامی ''بیگم ڈی'' کے رویے کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اس نقطہ نظر کے مطابق، یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بیگم ڈی، اپنی موت کے بعد، اپنے دماغ کے مکمل افعال کے ساتھ موجود ہوگی اور صرف زمین پر لوگوں کے ساتھ بات چیت کرنے کے ذرائع سے محروم ہوگی۔ اس نظریے کا مطلب یہ ہے کہ الزائمر کے دوران بھی بیگم ڈی کا دماغ سالم تھا۔ وہ اپنی بیٹی کو پہچانتی تھی لیکن اس پہچان کو ظاہر کرنے کی صلاحیت کھو چکی تھی۔ اس کی کسی معصوم معذور خاتون کو مارنے کی کوئی خواہش نہیں تھی بلکہ ''اندرونی طور پر'' وہ وہی شائستہ شخصیت تھی جیسا کہ بیماری سے پہلے تھی۔ یہ صرف اس کی دماغی بیماری ہے جس نے اسے اپنے حقیقی جذبات کے مطابق عمل کرنے سے روکے رکھا۔ مجھے اس پر اصرار ہے کہ یہ نتائج اس نظریے کے مضمرات ہیں کہ ذہن دماغ کی موت کے بعد زندہ رہتا ہے اور یہ کہ دماغ ابلاغ کا صرف ایک ذریعہ ہے۔ بلا شبہ یہ نتائج غیر معقول ہیں۔

تاہم یہ نتائج لازمی طور پر اس نظریے کے مضمرات نہیں ہیں کہ دماغ ذہن کا ایک آلہ ہے، بلکہ یہ ایڈورڈز کے اس نظریے کے ایک "سستے" خاکے کا نتیجہ ہیں۔ اصل متنازع مسئلہ ذہن کے دماغ پر فعلی انحصار کا نہیں بلکہ اس انحصار کی نوعیت کا ہے، یعنی یہ انحصار پیداواری (Productive)، منتقلی (Transmissive)، یا اجازت دہ (Permissive) ہے۔ یہ بات مکمل طور پر ممکن ہے کہ بیگم ڈی کے متاثرہ دماغ نے اس کی اپنی بیٹی کی یادوں تک رسائی کو روک دیا ہو، لہٰذا وہ واقعی اپنی بیٹی کو پہچان نہیں سکی۔ اگر ہم ڈوکاسے (Ducasse) کے مطابق دماغ کی تعریف ''صلاحیتوں کے ایک مجموعے'' کے طور پر کریں، تو اس تعریف کے مطابق بیگم ڈی کا دماغ ''سالم'' نہیں تھا کیونکہ کئی صلاحیتیں واقعی متاثر ہوئی تھیں۔ تاہم یہ حقیقت کہ اس بات کا یہ مطلب نہیں کہ کچھ صلاحیتیں بیماری، چوٹ، یا نشے کی وجہ سے عارضی طور پر کام نہیں کر رہیں تو وہ مستقل طور پر ختم ہو گئی ہیں۔

اگر دماغ کو مادی دنیا میں عمل کرنے اور اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لیے ایک

حیاتیاتی مشین کا سہارا لینا پڑے، تو جب تک یہ اس مشین کا پابند ہو، ہمیں توقع کرنی چاہیے کہ دماغ کی عمل کاری اور اس کا اظہار مشین کی حالت اور حدود سے متاثر ہوں گے۔ اگر مشین متاثر ہو جائے تو دونوں مفروضوں، پیداوار اور منتقلی کے تحت، دماغ کی عمل کاری اور اظہار متاثر ہوں گے۔ یہ دونوں نظریاتی امکانات بیگم ڈی کے معاملہ کے مشاہدہ شدہ حقائق سے ہم آہنگ ہیں۔

تاہم، دماغی نقصان اور بڑھاپے کے اثرات ذہن پر ایڈورڈز کے خام تاثر کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے، جس میں یہ مانا جاتا ہے کہ علت و معلول کا اثر صرف ذہن سے جسم کی طرف جاتا ہے اور کبھی جسم سے ذہن کی طرف نہیں آتا۔ ایسا لگتا ہے کہ یہی بنیاد ایڈورڈز کے بار بار Instrument theory کی تشریح کرنے اور اس کے نتائج کو ''مضحکہ خیز'' قرار دینے کا سبب ہے۔

تاہم، یہ قابلِ فہم ہے کہ جب تک کسی شخص کا جسم موجود ہے، شعور کا عمل اور اظہار کے لیے جسم پر انحصار ہو سکتا ہے، اور جب جسم مر جاتا ہے تو شخص اس انحصار سے آزاد ہو جاتا ہے۔ شعور زندگی کے دوران دماغ کے ساتھ منسلک ہو سکتا ہے؛ اس کا تعلق دوطرفہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ یہ مادی دنیا میں ہر علت و معلول کے تعلق میں ظاہر ہوتا ہے لیکن موت کے وقت یہ تعلق منقطع ہو سکتا ہے۔ یہ حقیقت کہ دماغ کے زندہ رہنے تک شعور دماغ کی حالت اور اس کی حدود سے متاثر ہو سکتا ہے، اس بات کو لازم نہیں کرتی کہ دماغ کے بغیر شعور اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا یا اپنے کچھ عمل جاری نہیں رکھ سکتا۔

بیگم ڈی کے کیس کے بعد، ایڈورڈز ایک پرانے مادہ پرستانہ استدلال کی طرف آتا ہے جس میں وہ عمر رسیدگی کے ساتھ انسانی ذہنی اور جذباتی حالت کے بگاڑ کو بیان کرتا ہے:

> یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ بڑھاپے کے ساتھ ساتھ، زیادہ تر لوگوں کی ذہانت اور جذباتی حالت بگڑ جاتی ہے۔ ان کی یادداشت کمزور ہو جاتی ہے، وہ نئی باتیں سمجھنے کے کم قابل ہوتے ہیں، ان کی دنیا میں دلچسپی کم ہو جاتی ہے، وہ زیادہ تعریف کے طلب گار ہو جاتے ہیں، اور اپنے خیالات میں زیادہ چڑچڑے، بے صبر، اور ضدی ہو جاتے ہیں۔ یہ ہرگز عمومی نہیں ہے اور یہ ایک دلچسپ سوال ہے

> کہ کیوں زیادہ تر لوگ زوال پذیر ہوتے ہیں جبکہ کچھ نہیں ہوتے۔ اگرچہ اس آخری سوال کا جواب کچھ بھی ہو، عمومی طور پر یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ جہاں ذہنی اور جذباتی زوال ہوتا ہے، وہ دماغ میں تبدیلیوں کی وجہ سے ہوتا ہے، حالانکہ بلاشبہ دیگر عوامل بھی اس میں کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں یہ کہنا بالکل فطری بات ہے اور ہم سب یہی کہتے اور سوچتے ہیں، یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو زندگی بعد از موت پر یقین رکھتے ہیں، کہتے ہیں کہ عمر کے ساتھ شخص کے ذہن میں زوال آیا ہے۔ 'نابودی کے نظریہ' کا اس بیان سے اتفاق ہے لیکن 'آلہ کار کے نظریہ' کا اس سے اتفاق نہیں۔ 'آلہ کار کے نظریئے' کے حامی کو یہ کہنا پڑے گا کہ ذہن خود زوال پذیر نہیں ہوا، اور یہ جو تبدیلیاں ہم نوٹ کرتے ہیں وہ اس وجہ سے ہیں کہ ذہن کو ایک غیر متاثرہ آلہ دستیاب نہیں ہے۔

ایڈورڈز نے اوپر لکھا، ''ایسے حالات میں یہ بالکل فطری بات ہے۔۔۔ اور ہم سب ایسے ہی بولتے اور سوچتے ہیں، یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو زندگی بعد از موت پر یقین رکھتے ہیں۔۔۔ کہ عمر کے ساتھ شخص کے ذہن میں زوال آیا ہے۔'' یہ بحث طلب ہے کہ آیا واقعی ''ہم سب ایسے ہی بولتے اور سوچتے ہیں۔'' بہر حال، یہ بھی ''بالکل فطری'' ہے کہ کہا جائے کہ سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سورج حقیقت میں زمین کے گرد گردش کرتا ہے۔ یہ حقیقت کہ ایک خیال ہماری موجودہ بول چال اور سوچ کی عادات سے متصادم ہے، خود بخود اس بات کی دلیل نہیں بنتی کہ وہ خیال ''مضحکہ خیز'' ہے۔ یہ مادی نظریات کے حامیوں کی بے بسی اور ان کے مؤقف کی کمزوری کی گواہی ہے کہ ایڈورڈز اپنے نظریے کے حق میں سب سے مضبوط دلیل کے طور پر یہ کہہ سکتا ہے کہ 'بقاء کا نظریہ مکمل طور پر مطابقت رکھتا ہے' اس بات کے ساتھ جو اس کے نزدیک ''بالکل فطری'' ہے۔

کسی بھی حال میں، نہ تو ایڈورڈز اور نہ ہی میک گن سائنس دان ہیں، لہذا اب یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تین نیورو سائنس دانوں کے دلائل کا جائزہ لیا جائے جنہوں نے طبعی شواہد کو بہت تفصیل سے پرکھا ہے۔

بیاد خواجہ ولی محمد توحیدیؒ

(یوم وفات: ۱۳ فروری ۲۰۲۵ء بروز جمعرات)

(سید رحمت اللہ شاہ)

خواجہ ولی محمدؒ اللہ کے حضور پیش ہو گئے ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ ۔ مرکز تعمیر ملت سے شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ بابا جان محمد یعقوب خان صاحب توحیدی مریدین سلسلہ سے مخاطب ہوئے: ہماری تاریخ کا ایک باب ہم سے بچھڑ گیا۔ انصاری صاحبؒ نے آبیاری کی، ڈار صاحبؒ نے آبیاری کی، ہمارے زیر سایہ رہے، بالآخر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ولی صاحب ایک تاریخ تھے، اکیلے ولی نہیں تھے، انہوں نے بڑا کچھ دیکھا، بڑا کچھ اپنے عمل سے ہمیں سکھایا۔ انہوں نے بڑے بڑے نشان چھوڑے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ سب بھائی ان کے لئے دعائیں کریں۔

سمجھ نہیں آتی کہ خدمت، دعوت وعزیمت کی اس داستان کو کس عنوان سے تعبیر کیا جائے۔ بلا مبالغہ پیار، پریم وپریت کی مجسم صورت؛ اخلاص، ایثار وسخاوت کی پیکر ہستی؛ بے لوث، بے غرض اور بے لالچ انسانی زندگی کی زندہ تعبیر کا نام تھا 'خواجہ ولی محمدؒ'۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ سب نقوش ہیں، بڑی حقیقت کا ہمارے سامنے عکس ہیں۔ خواجہ ولی محمد صاحبؒ کا تذکرہ ہے تو چشم تصور میں بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ، شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب صاحب توحیدی اور قبلہ محمد صدیق ڈار صاحبؒ کی باتیں چل رہی ہیں: سب کو چھوڑ کر اللہ کے ہو جاؤ؛ خلق خدا کی خدمت کرو، سب کے ساتھ محبت سے پیش آؤ، کتنی ہی تکلیفیں اور مصیبتیں پڑیں مایوس اور اداس مت ہو ہمت نہ ہارو، ہمیشہ خوش رہا کرو۔ دل میں خدا کو بسائے رکھو، ہاتھ پاؤں کو خدمت خلق میں لگائے رکھو، اسی میں کامیابی ہے، یہی دائمی مسرت اور حقیقی زندگی کا راز ہے۔ مرتے دم تک کام کرتے رہو

اورخدا کی یاد میں مر جاؤ۔ تمھیں کیا خبر یہ کتنا بڑا کام ہے ،مرنے کے بعد اس کا کیا انعام ملے گا۔ جنتیں تو ایک گھٹیا سودا ہیں۔ ایسی زندگی کا صلہ تو خود خدا ہے۔ حلقہ سے محبت کرو۔ پیر بھائیوں سے سگے بھائیوں سے زیادہ پیار کرو۔ حلقہ ہماری سب سے پہلی ترجیح ہونا چاہیے۔۔۔۔ یہ اور ایسی باتیں بہت ساری ہیں لیکن نتیجہ صرف اور صرف ایک ہی ہے: خواجہ ولی محمد صاحبؒ بازی لے گئے۔ **سبحان الله العظيم والحمد لله.** اللہ تعالیٰ آپؒ کے درجات بلند فرمائے، آپؒ کے اہل خانہ کو اس داغ مفارقت پر حوصلہ عطا فرمائے، ان سب پر اپنی رحمتوں کا سایہ ہمیشہ قائم ودائم رکھے، اس گھرانہ کی خدمات، ایثار اور قربانیوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اپنی جناب سے ان پر خیر و برکات کے نزول کو دوام عطا فرمائے۔ آمین۔

مجلّہ فلاح آدمیت کے شمارہ ماہ اکتوبر ۲۰۲۳ء میں جناب خواجہ ولی محمد صاحبؒ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ایک مختصر مضمون اسلام آباد سے جناب طارق محمود صاحب کی طرف سے بعنوان ’گنج ہائے گرانمایہ‘ شائع ہوا۔ اگرچہ خواجہ ولی محمد صاحبؒ کا نام سلسلہ توحیدیہ میں ایک بڑا نام ہے جنہیں کم وبیش سب جانتے ہیں تاہم بہت سے نئے مریدین سلسلہ کے لئے کچھ باتوں کا اعادہ ضروری ہے۔

خواجہ ولی محمد صاحبؒ کشمیری النسل تھے۔ مقبوضہ کشمیر کے ایک گاؤں ’سنبل‘ کے ایک کاشتکار گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ہند پر ہجرت کر کے پیدل راولپنڈی آئے اور اس شہر کو اپنا مسکن بنایا۔ اس دور میں راولپنڈی شہر چند آبادیوں پر مشتمل تھا جس میں ’راجہ بازار‘ واحد کاروباری مرکز تھا۔ ہجرت کے وقت آپؒ کی عمر بارہ (۱۲) سال تھی اور پانچویں جماعت کے طالب علم تھے۔ خاندان کے باقی افراد میں سے کوئی آپؒ کے ساتھ نہ تھا۔ کم عمری، بے سروسامانی اور ایک اجنبی ماحول میں گزربسر اور آئندہ زندگی کی راہوں کا تعین آپؒ نے خود کرنا تھا۔ مزدوری سے آغاز کیا، بوریاں اٹھانا شروع کیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ذریعہ معاش میں بہتری آئی۔ پانی کے نلکے لگانے اور ان کی مرمت کا ہنر سیکھ کر یہ کام بھی کیا۔ معمولی معاوضہ پر صرافہ بازار میں ملازمت بھی کی۔

ہجرت کر کے آئے تھے، مقامی سرکاری حکام کی طرف سے کوئی رہائش تک الاٹ نہ ہوئی کیونکہ آپؒ کے پاس نہ تو کوئی رشوت کے لئے رقم تھی اور نہ ہی کوئی اثر رسوخ تھا۔ بعد ازاں ایوب خان مارشل لاء دور میں مقامی غیر قانونی قابضین سے مقبوضہ املاک واراضیات واگزار کروائی گئیں تو اس دور میں آپؒ کو صرافہ بازار میں ہی ایک بہت چھوٹی سی دکان الاٹ ہو گئی جہاں آپؒ نے سونے کا کاروبار شروع کیا۔ سونے کے زیورات کی خرید وفروخت کے ساتھ ساتھ سونے کی گولیاں بنانے کا ایک چھوٹا سا کارخانہ لگایا۔ آپؒ کاروباری معاملات میں کھرے، صاف گو اور ایماندار انسان تھے۔ کاروباری لین دین کے معاملات کرنے والوں کا آپؒ پر اعتماد وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہا۔ آپؒ کی کاروباری شہرت اور خاص پہچان 'گولیوں والی سرکار' کے نام سے ہوئی۔ کاروباری معاملات میں آپؒ کا اثر اور جانکاری راولپنڈی سے باہر جہلم اور چکوال تک خوب تھی۔ آخری وقت تک اسی سونے کی گولیاں بنانے کے کاروبار سے وابستہ رہے۔

ایک عرصہ تک آپؒ کرائے کے مکان میں رہے۔ بعد ازاں اسلام آباد کے جی بلاک میں ایک پلاٹ خریدا جسے فروخت کر دیا اور اپنے کرائے کے مکان کے سامنے ایک دس مرلہ کا پلاٹ لیا، یہاں گھر بنایا اور تا وقت وفات اسی گھر میں رہے۔ چونکہ آپؒ اکیلے ہجرت کر کے پاکستان آئے اس لئے خاندان کا کوئی فرد یا سرپرست ساتھ نہیں تھا۔ ساٹھ کی دہائی میں ایک جامع مسجد کے امام کی وساطت سے پشاور سے تعلق رکھنے والے ایک خاندان میں شادی ہوئی۔ آپؒ کی اولاد میں پہلے تین صاحبزادیاں اور پھر چار صاحبزادے ہوئے۔ بڑا صاحبزادہ عین جوانی میں موٹر سائیکل کے ایک حادثہ میں شدید زخمی ہوا، جسے ہسپتال لے جایا گیا مگر وہ ایک رات موت وحیات کی کشمکش میں رہ کر اللہ کو پیارا ہو گیا۔ اب تین بیٹے اور تین بیٹیاں راولپنڈی میں مستقل رہائش پذیر ہیں۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے آپؒ کا تعلق ساٹھ کی دہائی میں بانیٔ سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے دور سے تا وقت وفات رہا۔ سلسلہ سے ابتدائی تعارف شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ (سوم) قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ کے توسل سے ہوا جو پاکستان ایئر فورس کی ملازمت کے دوران چکلالہ ایئر بیس پر تعینات اور

راولپنڈی میں خادم حلقہ تھے۔ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحبؒ سے پہلی ملاقاتوں کا سلسلہ صرافہ بازار راولپنڈی میں آپؒ کی دکان کے سامنے ایک جامع مسجد سے ہوا۔ آپؒ اس جامع مسجد میں پانی کے انتظام کا خیال رکھتے تھے۔ یہ ایک ہندو خاتون کی طرف سے رفاہِ عامہ کے لئے پانی کا کنواں تھا جہاں سے اہل علاقہ اپنی ضروریات کے لئے پانی بھرتے تھے۔ ہندوؤں کے جانے کے بعد یہ غیر آباد تھا۔ آپؒ نے اسے اہل علاقہ کے اجتماعی تعاون سے بحال کر کے رفاہ عامہ کو تسلسل دینا چاہا۔ دیگر اہل علاقہ نے اس شرط پر تعاون کی حامی بھری کہ اس کنواں سے صرف مقامی حصہ داران ہی پانی لے سکیں گے، ان کے علاوہ کسی کو یہاں سے پانی لینے کی اجازت نہ ہوگی۔ یہ شرط آپؒ کے لئے ہرگز قابل قبول نہ تھی۔ آپؒ نے خود ہی سارا خرچ برداشت کر کے اس خدمت خلق کے کام کو شروع کیا اور ذاتی کاوشوں سے جامع مسجد کے علاوہ ہر خاص و عام کے لئے جاری رکھا۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے آپؒ کی وابستگی تا حیات بہت گہری، غیر متزلزل اور بے مثال رہی۔ سلسلہ توحیدیہ میں بیعت کے بعد آپؒ سے خوب کرامات کا ظہور شروع ہوا۔ جو بات کہہ دیتے اللہ کے فضل و کرم سے وہ اسی طرح پوری ہو جاتی۔ کرامات کی شہرت بھی ہوئی مگر آپؒ نے خود بانیٔ سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ سے کرامات کے بند کرنے کی درخواست کی۔ بانیٔ سلسلہؒ نے کہا بھی کہ دنیا اس کو بزرگی سمجھتی ہے، اس کی طلب میں ماری ماری پھرتی ہے اور تم اسے بند کرانا چاہتے ہو۔ آپؒ نے اللہ کی طرف سے دھیان ہٹنے اور خیال تقسیم ہونے کی بات کر کے اپنی درخواست پر استقامت دکھائی اور کرامات کا یہ سلسلہ منقطع ہوا۔ آپؒ ایک بلند پایہ بزرگ تھے۔ کئی بار من راقم کو بھی آپؒ کا مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپؒ کا مہمان ہونے کے لئے اطلاع یا اجازت کا تکلف اتنا ہی ہوتا تھا کہ مہمان نے کہہ دیا کہ ہم آ گئے ہیں یا ہم آپ کے پاس رہیں گے۔ کھلے دل اور بڑے بے تکلف اور ایسے پرتپاک انداز سے خوش آمدید کہتے کہ جیسے انہیں انتظار ہی اسی بات کے سننے کا تھا۔ ایسے موقع کے احساس و جذبات کا احاطہ الفاظ و بیان میں کرنا ناممکن ہے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں آپؒ کو کئی قابل رشک سعادتیں نصیب ہوئیں۔ تازہ ترین سعادتوں میں ایک جس میں تا حال آپؒ کو انفرادیت ملی وہ یہ ہے کہ موجودہ شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب خان صاحب نے آپؒ کو 'ولی اللہ' کا خطاب دیا۔ زندگی کے آخری ماہ و ایام میں آپؒ کا نام ہی 'ولی اللہ' سننے کو ملتا رہا۔ محافل میں شریک شاید ہی کوئی توحیدی ہو جسے معلوم نہ ہو کہ یہ کس ولی اللہ کی بات ہو رہی ہے، کس ولی اللہ کی

خیر خیریت اور حال احوال پوچھے جا رہے ہیں۔ آپؒ اس سند اور اس اعزاز کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ بانیٔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے دور میں آپؒ کے ہاں راولپنڈی میں حلقۂ ذکر شروع ہوا جو آپؒ کی وفات تک مستقل ہوتا رہا۔ بانیٔ سلسلہؒ کی طرف سے ہدایت تھی کہ جب تک آپؒ اجازت نہ دیں یہ حلقہ یہاں سے کسی دوسری جگہ شفٹ نہ کیا جائے۔ دو چار برس کی بات نہیں، پچاس سال سے زائد عرصہ اور آپؒ کی آخری سانس تک یہ حلقہ آپؒ کی رہائش گاہ پر ہوتا رہا اور تا حال اسی جگہ ہوتا ہے۔

بانیٔ سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے جوتے والا واقعہ آپؒ کی شان بنا۔ کئی بار یہ واقعہ سنا، خوب مزے لے لے کر سناتے، ایک ہی محفل میں بار بار فرمائش پر بھی سنایا۔ آپ کو سنانے کا مزا اور ہمیں سننے کا مزہ آتا۔ فرماتے: باباجیؒ راولپنڈی آئے ہوئے تھے۔ میں نے کہا کہ میری دکان پر بھی چلیں۔ بڑے پیار سے کہا، باباجیؒ ایسے کہیں جاتے نہیں تھے۔ میری بات سنی تو فرمایا: تمہاری دکان پر جائے گی میری جوتی۔ باباجیؒ آرام کر رہے تھے تو میں بازار سے ایک نئی چپل لایا اور اس کی جگہ رکھ دی، یہ جوتی اٹھائی اور سیدھا دکان پہ گیا اور اسے اپنے سیف میں رکھ دیا۔ باباجیؒ اٹھے تو پوچھتے ہیں اے! میری جوتی کدھر ہے؟ باباجیؒ کو بتایا گیا کہ وہ تو خواجہ ولی محمد صاحب لے گئے ہیں۔ میں آیا تو باباجیؒ نے مجھ سے پوچھا کہ میری جوتی کہاں ہے؟ تو میں نے بتا دیا کہ باباجی وہ تو دکان پہ چلی گئی۔ فرمایا: اے! وہاں کیا کر رہی ہے؟ میں نے بتا دیا کہ آپ نے ہی تو فرمایا تھا کہ میری دکان پر آپ کی جوتی جائے گی تو وہ چلی گئی ہے۔ باباجیؒ اس پر مسکرا دیئے۔ اس کے بعد آپؒ نے بتایا تھا کہ یہ جوتی اب بھی میرے پاس وہاں پڑی ہوئی ہے۔ راقم کی اس جوتی کو دیکھنے کی خواہش رہی جو تا حال پوری نہ ہو پائی۔ اللہ کرے کہ اس کا کوئی سبب ہو ہی جائے۔

پچاس سال سے زائد عرصہ تک آپؒ نے حلقۂ ذکر کے بعد خوب لنگر چلایا۔ فقیر کے آستانے پر اس کھانے کو لنگر کا نام ہی دیں گے ورنہ عام معاشرتی زبان میں یہ رات کا پر تکلف کھانا ہوتا۔ کبھی سخاوت و ایثار میں کمزوری نظر نہ آئی۔ بھائیوں کے لئے دل و جان سے فدا تھے۔ حلقۂ توحیدیہ راولپنڈی ہمیشہ بڑا حلقہ رہا ہے۔ دس بیس افراد تو معمول کے مطابق شریک ہوتے تاہم یہ تعداد چالیس چالیس اور پچاس پچاس تک جاتی رہی مگر آپؒ کی طرف سے کبھی بوجھ کے آثار تک نظر نہ آئے۔ قربانی کے اس جذبہ میں آپؒ خود ہی اپنی مثال تھے۔ گھر میں حلقۂ ذکر کے لئے جگہ مخصوص تھی جہاں بھائی بے تکلفی سے بیٹھ کر خوب گپ شپ کرتے۔

حلقہ ذکر کے روز نماز ظہر کے بعد سے بھائی آپؒ کی رہائش گاہ پر آنا شروع ہو جاتے۔ دور دراز یا دوسرے شہروں سے آنے والے بھائیوں کا رات کو یہاں قیام کرنا بھی معمول کی بات تھی۔

راقم کو بھی ایسی کچھ راتیں آپؒ کے پاس گزارنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ شب و روز کے معمولات توحیدیوں والے نظر آئے۔ ایک رات حلقہ ذکر کے بعد دیر تک ہم بات چیت کرتے رہے۔ آدھی رات کے وقت سب بھائیوں کے جانے کے بعد میں، جناب پیر خان صاحب توحیدی اور جناب خواجہ ولی محمد صاحب رہ گئے۔ پیار محبت میں رات جاگ کر گزارنے میں بڑا مزا آ رہا تھا۔ تا دیر جاگ کر سونے کا انتظام ہوا، سو گئے۔ پیر خان صاحب اور خواجہ ولی محمد صاحبؒ نہ جانے کتنا سوئے اور جاگ گئے۔ پتا نہیں یہ کیا کچھ اپنے روزمرہ کے معمولات میں کرتے رہے آخر تہجد کا وقت ہوا، انہوں نے نماز تہجد پڑھی۔ میرا خیال تھا کہ اب شاید سو جائیں گے اور تا دیر آرام کریں گے مگر ایسا نہ ہوا۔ دونوں بزرگان نماز فجر کے لئے جانے لگے۔ اب لیٹے رہنے میں شرم محسوس کی تو اٹھ کر ساتھ ہو گیا۔ مسجد کوئی پانچ منٹ کی پیدل مسافت پر تھی۔ نماز فجر باجماعت ادا کر کے واپس آتے ہوئے سارے شہر میں مکمل خاموشی تھی۔ زندگی کے آثار میں دونوں بزرگان کا خوب ہنسی مذاق تھا یا پھر گلیوں کے آوارہ کتے جو دوستانہ انداز میں بھونک رہے تھے۔ بڑا ہی دلکش ماحول تھا۔

ہر انسان کی زندگی میں خوشی غم، آرام تکلیف، دکھ سکھ، پریشانی سکون ساتھ ساتھ رہتے ہیں، اسی کا نام ہی زندگی ہے۔ آپؒ کی زندگی میں بھی ایسی باتیں ہیں جو معاشرے کے ایک عام فرد کے لئے کسی طرح باعث اطمینان نہیں ہو سکتیں مگر اس سب کے باوجود کبھی حرف شکایت لبوں پر نہیں لائے، ہمیشہ مسکراتے اور بڑے پرتپاک انداز سے ملتے رہے۔ خواہ کوئی گھرانہ بھی ہو ایک ہی طرح کا ماحول دیکھ کر سب اہل خانہ اکتا جاتے ہیں۔ ہر کوئی حالات میں تبدیلی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ آپؒ کے اہل خانہ بھی اسی معاشرہ کا حصہ ہیں، ان کے جذبات و احساسات، خیالات و آرا بھی آپؒ سے مختلف ہو سکتی ہیں، اہل خانہ میں اس قدر تکلف اور ذوق وشوق سے مریدین سلسلہ کی خدمت اور حلقہ ذکر کے نہ ٹوٹنے والے تسلسل پر اختلاف رائے ہو سکتا ہے، ایسی باتوں کا ہونا کسی بھی گھر کے ماحول میں کوئی حیرت کی بات نہیں۔ جس قدر ہمیں حالات سے آگاہی ہے اس بنیاد پر تمام توحیدی بھائیوں کو بتانا ضروری ہے کہ آپؒ کے لئے

ہمیشہ اویت سلسلہ توحیدیہ اور اپنے پیر بھائی رہے اس کے بعد ہی کہیں اہل خانہ کی کوئی بات تھی۔ خدمت خلق آپؒ کی زندگی کا منشور تھا۔ مجلّہ فلاح آدمیت نے ۲۰۱۱ء میں ایک خاص نمبر بعنوان 'کارواں نمبر' شائع کیا جس میں مریدین سلسلہ سے ایک ہی سوال کیا گیا کہ آپ کے نزدیک سب سے اہم بات کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟ اس سوال کے جواب میں آپؒ نے فرمایا: خدمت خلق۔ جب میں حلقے میں شامل ہوا تو بابا جی (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے فرمایا کہ خدمت خلق۔ اگر یہ ہے تو سب کچھ ہے۔ اللہ تو رب العالمین ہے، وہ رب المسلمیں نہیں ہے۔ ساری کائنات کو روزی دے رہا ہے۔ ہمارا کام ہے خدمت کرنا خلق کی، کچھ ہے نہیں ہے بس خدمت کرنا۔ مجھے یہ شعر بڑے پسند ہیں۔ انہیں میں سب کچھ ہے۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کوئی مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل وگلزار ہوتا ہے
بشر رازِ دلی کہہ کر ذلیل وخوار ہوتا ہے
نکل جاتی ہے خوشبو تو گل بیکار ہوتا ہے
صداقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

آپؒ کی زندگی کا اختتام ضعف عمری کے پیش نظر کمزوری اور تیزی سے بڑھتے صحت کے مسائل سے ہوا۔ آخر وقت وصال آیا اور آپؒ نے ۱۳ فروری بروز جمعرات سحری کے وقت داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ۔ مرکز تعمیر ملت پر شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب خان صاحب توحیدی کو اطلاع ملی تو آپ نے اپنی کمزوری اور صحت کے مسائل کے باوجود نماز جنازہ میں شرکت کرنے کا فیصلہ کیا۔ گوجرانوالہ سے جناب محمد ریاض صاحب اور جناب عبدالقیوم ہاشمی صاحب کے ساتھ راولپنڈی آئے۔ نماز جنازہ بعد از نماز ظہر پیر الٰہی بخش قبرستان کی جنازہ گاہ میں پڑھائی جانا تھی۔ شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب خان صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔

آپؒ کی وفات کے فوری بعد ہی راولپنڈی سے کچھ بھائیوں کو اس خواہش کا اظہار کرتے ہوئے سنا گیا کہ اب یہ حلقہ ہماری طرف کرایا جائے۔ آپؒ کی اولاد سے شاید کوئی بھی سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں

بیعت نہیں ہے۔ آپؒ کے ایک ہی داماد جناب غلام محمد صاحبؒ تھے جو عین جوانی میں قبلہ محمد صدیق ڈار صاحبؒ کے دور میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کی وفات کی اطلاع فون پر قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کو شجاع آباد میں حلقہ ذکر کے بعد ملی تو ان کی باتیں وہاں محفل میں چلتی رہیں۔ بڑے ملنسار، دوست طبع اور پیارے توحیدی تھے۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے اہل خانہ پر اپنی رحمتوں و برکتوں کا سایہ رکھے۔ آمین۔ آپؒ کے صاحبزادوں میں عمران صاحب آپؒ کے زیادہ قریب اور کاروباری معاملات میں آپؒ کے ساتھ تھے۔ راولپنڈی حلقہ سے مریدین سلسلہ نے شیخ سلسلہ قبلہ محمد یعقوب صاحب توحیدی کو بتایا کہ ہم سب ایک میٹنگ میں باہمی رضامندی سے حلقہ ذکر کے حوالے سے فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ قبلہ محمد یعقوب صاحب توحیدی نے ان بھائیوں پر واضح فرمایا اور دوٹوک الفاظ میں ہدایت کی کہ آپ جو بھی فیصلہ کریں لیکن اس خانوادے کو ایسے چھوڑ نہ دینا، ان کی مرضی کے مطابق چلنا جیسا وہ کہیں۔ ان کو ہم ایسے آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اتنے عرصے سے ان کی خدمات ہیں، ہم ان کو نہیں بھول سکتے۔ آپ لوگ جو بھی مشورہ کریں، جتنے بھائی بھی ہوں مشورہ کر کے عمران پر چھوڑنا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ وہ تکلیف محسوس کرتا ہے تو ہم تکلیف نہیں دینا چاہتے، پھر جہاں مرضی آپ جانا لیکن پہلے عمران سے مشورہ کر کے اس کی ساری باتیں سن کر آگے چلنا۔ ممکن ہے کہ وہ گھر کے بنانے کے حوالے سے یا کسی وجہ سے معذرت کرنا چاہے یا کسی وجہ سے سردست وہ بدلانا چاہے تو کوئی بات نہیں۔ بہت پیار سے بات کرنا، انہیں کسی قسم کی کوئی بات محسوس نہ ہو کہ بس میرے والد گئے تو میرے بھائیوں نے بھی مجھ سے جان چھڑا لی۔ ایسا انہیں محسوس نہیں ہونا چاہیے۔

بلاشبہ ہماری تاریخ کا ایک باب آپؒ کی زندگی کے ساتھ تمام ہوا۔ آپؒ توحیدی بزرگان میں شامل اور جب تک سلسلہ توحیدیہ قائم ہے اس وقت تک ہر توحیدی کے ایصال ثواب میں کی جانے والی دعا کا حصہ ہیں۔ الحمد للہ۔ آپؒ اپنے چاہنے والوں کی خصوصی دعاؤں میں شامل رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ آپؒ کے درجات بلند فرمائے، آپؒ کے اہل خانہ کو ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ اپنا خاص فضل و کرم فرماتے ہوئے آپؒ کے اہل خانہ کو ہر قسم کی مشکل، تکلیف، پریشانی اور آزمائش سے اپنے حفظ وامان میں رکھے، آپؒ کی نسلوں تک میں خیر و برکات کا نزول فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

سلسلہ نقشبندیہ کے پہلے بزرگ

(شفیق احمد)

ابوبکر صدیقؓ عبداللہ بن ابوقحافہ عثمان تیمی قرشی (573ء—634ء) اسلام کے پہلے خلیفہ راشد، عشرہ مبشرہ میں شامل، خاتم النبین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اولین جانشین، صحابی، خسر اور ہجرت مدینہ کے وقت رفیق سفر تھے۔ اہل سنت والجماعت کے یہاں ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہُ انبیا اور رسولوں کے بعد انسانوں میں سب سے بہتر، صحابہ میں ایمان و زہد کے لحاظ سے سب سے برتر اور ام المومنین عائشہ بنت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہا کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے محبوب تر تھے۔ عموماً ان کے نام کے ساتھ صدیق کا لقب لگایا جاتا ہے جسے حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہُ کی تصدیق و تائید کی بنا پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دیا تھا۔

ابوبکر صدیقؓ عام الفیل کے دو برس اور چھ ماہ بعد سنہ 573ء میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ دور جاہلیت میں ان کا شمار قریش کے متمول افراد میں ہوتا تھا۔ جب پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تو انھوں نے بغیر کسی پس و پیش کے اسلام قبول کر لیا اور یوں وہ آزاد بالغ مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے کہلائے۔ قبول اسلام کے بعد تیرہ برس مکہ میں گزارے جو سخت مصیبتوں اور تکلیفوں کا دور تھا۔ بعد ازاں پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رفاقت میں مکہ سے یثرب ہجرت کی، نیز غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں گرفتار ہوئے تو ابوبکر

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مسجد نبوی میں امامت کریں۔ پیر 12 ربیع الاول سنہ 11ھ کو پیغمبر اسلام نے وفات پائی اور اسی دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں پر مسلمانوں نے بیعت خلافت کی۔ منصب خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ابوبکر صدیقؓ نے اسلامی قلمرو میں والیوں، عاملوں اور قاضیوں کو مقرر کیا، جا بجا لشکر روانہ کیے، اسلام اور اس کے بعض فرائض سے انکار کرنے والے عرب قبائل سے جنگ کی یہاں تک کہ تمام جزیرہ عرب اسلامی حکومت کا مطیع ہو گیا۔ فتنہ ارتداد فرو ہو جانے کے بعد امام ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق اور شام کو فتح کرنے کے لیے لشکر روانہ کیا۔ ان کے عہد خلافت میں عراق کا بیشتر حصہ اور شام کا بڑا علاقہ فتح ہو چکا تھا۔ پیر 22 جمادی الاخری سنہ 13ھ کو تریسٹھ برس کی عمر میں خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے جانشین ہوئے۔

تعارف: آپؓ کا اسلامی اسم گرامی عبد اللہ کنیت ابوبکر اور لقب صدیق اور عتیق ہیں۔ آپؓ کے والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ ہے، والدہ کا نام سلمیٰ اور اور کنیت ام الخیر ہے۔ آپؓ کا تعلق قبیلہ قریش کی شاخ بنو تمیم سے ہے۔ عہد جاہلیت میں آپ کا نام عبد الکعبہ تھا جو حضور نے بدل کر عبد اللہ رکھ دیا تھا۔ آپؓ کے نام عبد الکعبہ " کی وجہ تسمیہ کچھ یوں بیان کی جاتی ہے۔ بعض روایات کے مطابق آپ کے والدین کے لڑکے زندہ نہیں رہتے تھے، اس لیے انھوں نے نذر مانی کہ اگر ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور زندہ رہا تو وہ اس کا نام "عبد الکعبہ" رکھیں گے اور اسے خانہ کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گے۔ چنانچہ جب آپ پیدا ہوئے تو انھوں نے نذر کے مطابق آپؓ کا نام "عبد الکعبہ" رکھا اور جوان ہونے پر آپ عتیق (آزاد کردہ غلام) کے نام سے موسوم کیے جانے لگے کیونکہ آپ نے موت سے رہائی پائی تھی۔

پیدائش: حضرت ابو بکرؓ کی پیدائش عام الفیل سے دو سال چھ ماہ بعد اور ہجرت نبوی سے پچاس سال چھ ماہ پہلے بمطابق 573 عیسوی مکہ میں ہوئی۔ آپؓ پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ ﷺ سے دو سال چھ ماہ چھوٹے تھے۔ عائشہ بنت ابی بکر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ میرے پاس بیٹھے اپنی ولادت کا تذکرہ فرما رہے تھے آپ دونوں کی گفتگو سے مجھے اندازہ ہوا کہ آپ، ابو بکر صدیقؓ سے عمر میں بڑے ہیں۔

سلسلہ نسب: والد کی جانب سے سلسلہ نسب یہ ہے۔ ابو قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب۔ والدہ کی جانب سے سلسلہ نسب یہ ہے۔ ام الخیر سلمی بنت صخر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب۔ بعض لوگوں نے آپ کی والدہ کا سلسلہ نسب یہ بیان کیا ہے سلمیٰ بنت صخر بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔ مگر یہ غلط ہے اس لیے کہ اس صورت میں وہ ابو قحافہ کی بھتیجی ہو جائیں گی اور اہل عرب بھتیجی سے دور جاہلیت میں بھی نکاح نہیں کرتے تھے۔ آپؓ کے والد اور والدہ دونوں کی جانب سے حضور ﷺ سے سلسلہ نسب ساتویں پشت میں مل جاتا ہے۔ کیونکہ آپؓ کے والدین آپس میں عم زاد تھے۔ ابن سعد کا قول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی والدہ کا نام لیلیٰ بنت صخر تھا۔

کنیت ابو بکر کی وجہ تسمیہ: آپؓ کی کنیت ابو بکر کے بارے میں منقول ہے کہ چونکہ آپؓ اعلیٰ خصلتوں کے مالک تھے۔ اس لیے آپ ابو بکر کے نام سے مشہور ہوئے جو بعد ازاں آپؓ کی کنیت ٹھہری۔ آپ کی کنیت ابو بکر کے بارے میں یہ سند پایہ تکمیل تک نہیں پہنچتی کہ آپؓ کو سب سے پہلے ابو بکر کے نام سے کس نے پکارا۔ مورخین نے آپؓ کی کنیت کی مشہور ہونے کی ایک وجہ یہ بھی لکھی کہ عربی میں بکر جوان اونٹ کو کہتے ہیں اور آپؓ کو چونکہ اونٹوں کی غور و پرداخت میں بہت دلچسپی تھی اور ان کے علاج و معالجے میں بہت واقفیت رکھتے تھے

اس لیے لوگوں نے آپؓ کو ابوبکر کہنا شروع کر دیا۔ جس کے معنی ہیں اونٹوں کا باپ۔ ابو کے معنی والا اور بکر کے معنی اولیت ہے اسی سے بکرہ یا باکرہ ہے۔ ابوبکر کے معنی ہوئے اولیت والے۔ چونکہ آپؓ ایمان، ہجرت، حضور ﷺ کی وفات کے بعد وفات میں اور قیامت کے دن قبر کھلنے وغیرہ سب کاموں میں آپؓ ہی اول ہیں اس لیے آپ کو ابوبکر کہا گیا۔

صدیق کی وجہ تسمیہ: آپ کے لقب صدیق کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ واقعہ معراج کے بعد قریش مکہ کو اپنی معراج سے آگاہ فرمایا تو انھوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی۔ جب ابوبکرؓ کو واقعہ معراج کے بارے میں پتا چلا تو آپؓ نے فرمایا میں معراج پر جانے کی تصدیق کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے آپ کی اس تصدیق کی وجہ سے آپؓ کو صدیق کا لقب عطا فرمایا۔ نودی نے حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ابوبکرؓ کا لقب صدیق اس وجہ سے ہے کہ آپؓ ہمیشہ سچ بولا کرتے تھے، آپؓ نے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق میں جلدی کی اور آپؓ سے کبھی کوئی لغزش نہیں ہوئی۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ جب معراج میں آپ ﷺ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ میری اس سیر کو کوئی تسلیم نہیں کرے گا۔ جبرائیل نے عرض کیا آپ ﷺ کی تصدیق ابوبکرؓ کریں گے کیوں کہ وہ صدیق ہیں۔ انس بن مالک سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جبل احد پر گئے اور آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تھے۔ احد پہاڑ پر زلزلہ آ گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے پیر کی ٹھوکر لگائی اور فرمایا اے احد! ٹھہر جا، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید موجود ہیں۔ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے وصال پر فرمایا کہ اللہ نے ابوبکرؓ کا نام صدیق رکھا اور پھر آپؓ نے سورہ الزمر کی آیت ذیل تلاوت فرمائی: وہ جو سچائی لے کر آیا اور وہ جس نے اس سچائی کی تصدیق کی وہی متقی ہیں۔

ازواج: مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر صدیقؓ نے اپنی زندگی میں پانچ شادیاں کیں۔

ام بکر: قبیلہ بنو کلب سے تھیں۔ چونکہ انھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لیے ابو بکر صدیقؓ نے ہجرت سے پہلے ان کو طلاق دے دی تھی۔

قتیلہ بن عبد العزیٰ: جب ابو بکر صدیقؓ نے اسلام قبول کیا تو انھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اس لیے ابو بکر نے ان کو بھی طلاق دے دی تھی۔ ابو بکر صدیقؓ کے بڑے صاحبزادے عبد اللہ اور بڑی صاحبزادی اسما ان کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ فتح مکہ تک زندہ رہیں شاید اسلام قبول کر لیا ہو۔ (184)

ام رومان: آپؓ کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ آپ کا تعلق قبیلہ کنانہ کے خاندان فراس سے تھا۔ اہل سیر میں سے کسی نے آپؓ کا اصل نام نہیں لکھا اس لیے آپؓ اپنی کنیت ام رومان سے مشہور رہیں۔ آپؓ کا پہلا نکاح (زمانہ جاہلیت میں) عبد اللہ بن حارث بن سنجرہ سے ہوا۔ ان سے ایک بیٹا طفیل بن عبد اللہ پیدا ہوئے۔ پہلے شوہر کی وفات کے بعد ابو بکر صدیقؓ نے ان سے خود نکاح کر لیا۔ ابو بکرؓ کی صلب سے ام رومان کے ہاں عائشہ صدیقہ اور عبد الرحمٰن بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ جب ابو بکر صدیقؓ نے اسلام قبول کیا تو انھوں نے بھی بلا تامل ان کی تقلید کی اور یوں آپ سابقون الاولون کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئیں۔ (185) آپؓ کی وفات میں اختلاف ہے کسی نے چار ہجری، کسی نے پانچ اور کسی نے چھ اور کسی نے نو ہجری بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ آپؓ کی وفات نو ہجری سے پہلے نہیں ہوئی۔ آپؓ کی تدفین کے وقت

نبی کریم ﷺ خود قبر میں اترے اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ (186)

اسما بنت عمیس: آپ کے والد کا نام عمیس تھا اور والدہ کا نام ہند بنت زہیر تھا۔ آپ کی ماں کی مختلف شوہروں سے نو بیٹیاں تھیں جو مختلف قریش اور بنو ہاشم کی بیویاں تھیں جن میں سلمی بنت عمیس حمزہ بن عبد المطلب کی زوجہ آپ کی حقیقی بہن تھیں اور اس کے علاوہ آپ کی ماں شریک بہنوں میں ام المومنین میمونہ اور لبابہ بنت حارث زوجہ عباس بن عبد المطلب وغیرہ بھی شامل ہیں۔ آپ کا پہلا نکاح جعفر طیارؓ سے ہوا جس سے تین بیٹے عبد اللہ عون اور محمد پیدا ہوئے۔ ان کی شہادت کے بعد آپ کا دوسرا نکاح ابو بکر صدیقؓ سے ہوا جس سے ایک بیٹا محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد آپ نے علی المرتضیٰؓ سے نکاح کیا جس سے ایک بیٹا یحیٰی پیدا ہوئے۔ آپ نے دو ہجرتیں کی تھیں۔ پہلی جعفر طیارؓ کے ساتھ ملک حبشہ پھر ادھر سے مدینہ منورہ کی طرف۔ آپ کی وفات حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد 40 ہجری میں ہوئی۔ (187) آپ سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں ان کے راویوں میں عمر فاروق، عبد اللہ بن عباس اور ابو موسی اشعری جیسے جلیل القدر صحابہ اور اعلیٰ درجے کے تابعین شامل ہیں۔ (188)

حبیبہ بن خارجہ: آپ ابو بکر صدیقؓ کے مواخاتی بھائی خارجہ انصاری کی بیٹی تھیں۔ ان سے نکاح کرنے کے بعد ابو بکر صدیقؓ انہی کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کے بطن سے ابو بکر صدیقؓ کی بیٹی ام کلثوم حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔ ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد آپؓ نے اساف بن عتبہ بن عمرو سے نکاح کر لیا تھا۔ 189

اولاد: ابو بکر صدیقؓ کی اولادیں چھ تھیں جن میں تین لڑکے اور تین لڑکیاں شامل تھیں۔

عبد اللہ بن ابی بکر: آپ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے سب سے بڑے بیٹے ہیں۔ آپ قتیلہ بن

عبدالعزیٰ کے بطن سے پیدا ہوئے اور حضرت اسماء کے حقیقی بھائی تھے۔ ابو بکر صدیقؓ نے جب اسلام قبول کیا تو آپ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ ہجرت مدینہ کے وقت اپنے والد ماجد اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مشغول رہے۔ آپ کے سپرد یہ کام تھا کہ دن بھر کی قریش کی جو خبریں ہوتی تھی وہ شام کو غار ثور میں پہنچا دیں۔ آپ نے ام رومان، عائشہ اور اسما کو لے کر مدینہ کی طرف ہجرت اس وقت فرمائی جب نبی کریم ﷺ بخیر و عافیت مدینہ پہنچ گئے۔ آپ فتح مکہ اور غزوہ حنین و غزوہ طائف میں شریک رہے۔ غزوہ طائف میں آپ کو ایک تیر لگا تھا جس سے شدید زخم پہنچا جو علاج معالجہ کے بعد مندمل ہو گیا تھا لیکن حضور اکرم ﷺ کے وصال کے چالیس روز بعد پھر پھوٹ پڑا جس سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ (190)

آپ کے والد ماجد نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ نے عاتکہ سے نکاح کیا تھا جس سے ایک بیٹا اسماعیل پیدا ہوا جو کم سنی ہی میں وفات پا گیا اور آپ کی نسل آگے نہیں چلی۔ (191)

عبدالرحمٰن بن ابی بکر: آپ ابو بکر صدیقؓ کے دوسرے بیٹے ہیں۔ آپ ام رومان کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ آپ غزوہ بدر اور غزوہ احد میں مشرکین کے ساتھ تھے۔ آپ نے صلح حدیبیہ کے زمانہ میں اسلام قبول کیا اور نبی کریم نے آپ کا نام عبدالکعبہ سے بدل کر عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ آپ ایک ماہر تیر انداز تھے، زمانہ جاہلیت اور قبول اسلام کے بعد بھی بے شمار معرکوں میں اپنے جوہر دکھائے۔ آپ کے ہاں تین بچے محمد، عبداللہ اور حفصہ تولد ہوئے۔ (192) آپ کی وفات میں اختلاف ہے۔ بعض آپ کا سنہ وفات 53 ہجری بعض 56 ہجری 58 ہجری بیان کرتے ہیں۔ آپ کے بیٹے ابو عتیق محمد کو بھی شرف صحابیت حاصل ہے۔ (193)

محمد بن ابی بکر: آپ ابو بکر صدیق کے سب سے چھوٹے بیٹے ہیں۔ آپ کی والدہ اسماء بنت عمیس ہیں۔ آپ کی پیدائش دس ہجری ذیقعدہ میں ذوالحلیفہ کے مقام پر ہوئی۔ جب اسماء نے ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ سے نکاح کیا تو آپ بھی ان کے سایہ عاطفت میں آگئے اور آغوش مرتضوی میں تعلیم وتربیت حاصل کی۔ حضرت علیؓ نے آپ کو اپنے عہد خلافت میں مصر کا گورنر بنایا۔ مصر پر جب عمرو بن العاص نے حملہ کیا تو آپ نے ان کا پر زور مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور گرفتار ہو گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کو گدھے کی کھال میں ڈال کر جلا دیا گیا۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کو آپ کی شہادت کی خبر ہوئی تو انہوں نے سخت دکھ کا اظہار کیا اور آپ کے بیٹے قاسم کو اپنی آغوش شفقت میں لے لیا۔ یہ عائشہ کی تعلیم وتربیت کا اثر تھا کہ قاسم اپنے دور کے بہت بڑے فقیہ بن گئے اور فقہائے سبعہ میں شمار ہونے لگا۔ (194)

اسماء بنت ابی بکر: آپ ابو بکر صدیق کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔ آپ ہجرت مدینہ سے ستائیس سال پہلے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ کا نکاح عشرہ مبشرہ میں شامل صحابی رسول زبیر بن عوامؓ سے ہوا جن سے عبداللہ بن زبیر تولد ہوئے۔ عبداللہ بن زبیر کو پیدائش کے بعد نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں لایا گیا۔ حضور نے ایک کھجور منگوا کر اسے چبایا اور پھر اسے عبداللہ کے منہ میں ڈال دی۔ عبداللہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ مدینہ منورہ میں مہاجرین کے یہاں پیدا ہونے والے پہلے بچے ہیں۔ حضرت اسماؓ کا وصال اپنے بیٹے عبداللہ کی شہادت کے بیس روز بعد ہوا۔ آپؓ کے ہاں عبداللہ کے علاوہ عروہ، منزر، عاصم، مہاجر، خدیجہ ام الحسن اور عائشہ تولد ہوئے۔

ام المومنین عائشہ بنت ابی بکر: آپ ابو بکر صدیقؓ کی دوسری صاحبزادی ہیں۔ آپ کی پیدائش بعثت نبوی کے پانچ سال بعد مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ کا نام ام رومان ہے۔ ام المومنین خدیجہ بنت خویلد کے وصال کے بعد آپ حضور نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ نکاح کے وقت آپ کی عمر مبارک چھ سال اور رخصتی نو سال کی عمر مبارک میں ہوئی۔ آپ کا شمار رسول اللہ ﷺ کی لاڈلی بیویوں میں ہوتا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ کا وصال مبارک بھی آپ کی گود مبارک میں ہوا اور پھر آپ کے حجرہ مبارک میں نبی کریم کا مدفون ہوا۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت آپ کی عمر مبارک صرف اٹھارہ برس تھی۔ آپ نے سترہ رمضان المبارک 59 ہجری میں اس جہان فانی سے کوچ فرمایا اور جنت البقیع میں مدفن ہوئیں۔

ام کلثوم بنت ابی بکر: آپ ابو بکر صدیقؓ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں اور آپ کی پیدائش اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد ہوئی۔ ابو بکر صدیقؓ کی اولاد میں صرف آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ حبیبہ بن خارجہ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ آپ کی پرورش ام المومنین عائشہؓ کے زیر سایہ ہوئی۔ آپ کا پہلا نکاح طلحہ بن عبید اللہ سے ہوا۔ ان کی شہادت کے بعد آپ کا دوسرا نکاح عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن ربیعہ سے ہوا۔

نبی کریم کے وصال کے موقع پر خطبہ: جس وقت حضور نبی کریم ﷺ کا وصال مبارک ہوا اس وقت تمام صحابہ کرام کی کیفیت عجیب تھی۔ ابو بکر صدیقؓ نے تمام صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے خطبہ ارشاد فرمایا:

اما بعد! گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ قرآن اسی طرح ہے جس طرح نازل ہوا اور دین وہی ہے جو اللہ نے مقرر فرمایا۔ حق بات وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ

نے بیان فرمائی اور اللہ ہی حق ہے۔ اے لوگو! جو شخص محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا ہے وہ جان لے کہ محمد (ﷺ) وصال فرما گئے ہیں اور جو شخص اللہ عزوجل کی عبادت کرتا ہے وہ یقین رکھے اللہ عزوجل ہمیشہ رہنے والے ہیں اور اس کے لیے موت نہیں۔ دیکھو اللہ نے اپنا فیصلہ فرما دیا اب تم اس میں ردو بدل نہ کرو جو کچھ تمھارے پاس ہے اس پر اللہ نے اپنے نبی کے لیے اس چیز کو ترجیح دی ہے جو اس کے پاس ہے۔ اللہ نے اپنے محبوب کو اپنی بارگاہ میں واپس بلا لیا ہے اور تمھارے لیے اپنی کتاب اور اپنے محبوب کی سنت کو چھوڑ دیا ہے۔ پس جو شخص ان دونوں چیزوں کو مضبوطی سے تھام لے گا وہ فلاح پائے گا اور جو ان کا منکر ہو گا وہ تفرقہ پیدا کرنے والا ہو گا۔

اے لوگو! عدل قائم کرنے والے بنو، دیکھو شیطان ابلیس کہیں تمھارے نبی کے وصال پر تمھارے لیے فتنہ بنا کر تمھیں دین سے باغی نہ کرے، شیطان کا مقابلہ ان ہتھیاروں سے کرو جن کے ذریعے تم اسے بے بس کرتے رہے ہو اور تم اسے ہرگز موقع نہ دو کہ وہ تم پر سوار ہو جائے۔

خلیفہ وقت کا پہلا خطاب: ابو بکر صدیق نے خلیفہ بننے کے بعد لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اما بعد! اے لوگو! مجھے تمہارا حاکم مقرر کیا گیا ہے حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر تم مجھے حق پر پاؤ گے تو میرے ساتھ تعاون کرنا اور اگر مجھے باطل پر پاؤ تو میری اصلاح کرنا۔ جب تک میں اللہ عزوجل کی اطاعت کرتا رہوں گا تو میری اطاعت کرتے رہنا اور جس دن میں اللہ کے حکم کی نافرمانی کروں گا تم پر میری اطاعت واجب نہیں رہے گی۔ یاد رکھو! میرے نزدیک تم میں قوی شخص ضعیف ہے جب تک کہ میں اس سے حق وصول نہ کر لوں اور

ضعیف شخص اس وقت تک قوی ہے جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں۔ میں اللہ سے سب کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔

امام حسن سے مروی ہے کہ اس کے بعد ابو بکر صدیقؓ منبر پر اس جگہ کھڑے ہو گئے جہاں نبی کریم کھڑے ہوتے تھے پھر آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

لوگو! میں ایک بوڑھا آدمی ہوں اس لیے تم مجھ سے زیادہ صحت منداور طاقتور آدمی کے سپرد یہ معاملہ کردو

آپ کی بات سن کر لوگوں نے کہا: آپ ہر قسم کے معاملے میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے ہیں اس لیے اس معاملے کے آپ زیادہ حقدار ہیں۔

یہ سن کر ابو بکر صدیق نے فرمایا: دیکھو اگر تمہارا اصرار ہے کہ میں اس امر کا زیادہ حقدار ہوں تو پھر میرے ساتھ تعاون کرنے میں بخل سے کام مت لینا اور یہ یاد رکھنا کہ میں بھی انسان ہوں اور میرے ساتھ بھی شیطان لگا ہوا ہے۔ اگر تم مجھے کبھی غصے کی حالت میں دیکھو تو اٹھ کر چلے جاؤ اور جب تک میں سیدھا رہوں میری اطاعت کرتے رہو اور جب میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو تم مجھے سیدھا کردو۔

نظام خلافت: ابو بکر صدیقؓ کی مدت خلافت صرف سوا دو برس ہے لیکن اس قلیل مدت میں آپؓ نے وہ عظیم الشان کارنامے سرانجام دیے کہ ان کو پڑھ کر انسان ورطہ حیرت میں غرق ہو جاتا ہے۔ آپؓ کے دور خلافت کا بیشتر حصہ اندرونی اور بیرونی دشمنوں پر قابو پانے میں صرف ہوا لیکن اس کے باوجود آپؓ ملکی نظم و نسق سے غافل نہیں رہے۔ آپؓ نے اپنی قوت ایمانی، تدبر و فراست اور عزم و ہمت کی بدولت نوزائیدہ خلافت اسلامیہ کو اتنی مستحکم بنیادوں پر قائم کردیا جس پر آپ کے اولوالعزم جانشین عمر فاروق نے ایک شاندار عمارت تعمیر کردی۔

اسلام، ایمان اور احسان
حدیثِ جبرائیل کی روشنی میں

(ڈاکٹر اسرار احمدؒ)

ترجمہ: ''آج جو حدیث ہمارے زیرِ مطالعہ ہے اور جس کا متن میں نے آپ کو پڑھ کر سنایا ہے' اس کو ''حدیثِ جبرائیل'' کہا جاتا ہے اور اسے ''اُمُّ السنۃ'' قرار دیا گیا ہے' یعنی سنت کی جڑ اور بنیاد۔ جیسے سورۃ الفاتحہ کو ''اُمُّ القرآن'' قرار دیا گیا ہے' یعنی قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کی جڑ اور بنیاد۔ اس حدیث کی عظمت کو عہدِ حاضر میں دو اشخاص نے پورے طور پر پہچانا ہے' ان میں سے ایک سفید فام امریکی William C.Chittick اور دوسری اس کی جاپانی بیوی Sachiko Murata ہے۔ ان کے بارے میں ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہے یا نہیں' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ ذہناً اور قلباً مسلمان ہیں اگرچہ انہوں نے اعلان نہ کیا ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہو' کیونکہ ہماری معلومات کا دائرہ اتنا وسیع نہیں ہے۔ واللہ اعلم! ان دونوں نے انتہائی گہرے مطالعے کے بعد اِس حدیث کی روشنی میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کا عنوان ہے: "Vision of Islam" یہ کتاب تقریباً ڈھائی تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ہمارے ہاں بھی یہ کتاب سہیل اکیڈمی لاہور نے شائع کی ہے جو بازار میں دستیاب ہے۔ جو لوگ علمی ذوق رکھتے ہوں وہ اسے حاصل کر کے پڑھیں۔

یہ حدیث احادیث کی پانچ کتابوں میں ہے اور پانچ ہی صحابہؓ سے منقول ہے' یعنی حضراتِ عمر بن خطاب' ابو ہریرہ' عبداللہ بن عمر اور ابو عامر رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے چار طرق سے مروی ہے۔ ان میں سے جو متفق علیہ روایت ہے وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی روایت ہے‘ لیکن جو مقبول ترین روایت ہے‘ یہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے اور صحیح مسلم (کتاب الایمان‘ باب بیان الایمان والاسلام والاحسان) میں ہے۔

مراتب میں تمام صحابہ کرامؓ برابر نہیں تھے‘ سب کے اپنے اپنے مراتب تھے۔ کچھ صحابہؓ کو فقہائے صحابہؓ کہا جاتا تھا‘ اس لیے کہ وہ فہم دین میں دوسروں سے زیادہ مرتبہ رکھتے تھے۔ ان میں حضرت عمرؓ چوٹی کے مقام پر ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی چوٹی کے فقہاءِ صحابہؓ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان صحابہؓ سے مروی احادیث کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ جو اس حدیث مبارک میں بیان ہو رہا ہے‘ یہ رسول اللہؐ کی زندگی کے آخری ایام میں پیش آیا ہے۔ فتح الباری اور عمدۃ القاری دونوں میں ہے کہ یہ آپؐ کی زندگی کے آخری دنوں کا واقعہ ہے۔ مولانا بدرِ عالم میرٹھی مہاجر مدنی نے‘ جن کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا‘ اس حدیث کے تمام طرق اپنی کتاب ”ترجمان السنۃ“ میں تفصیلاً بیان کیے ہیں۔ اس حدیث میں جو واقعہ بیان ہوا ہے وہ اصل میں تو حضرت عمرؓ کی روایت میں ہے‘ لیکن واقعہ کی تفصیلات کے ضمن میں کچھ مزید پہلو دوسری روایات میں آئے ہیں اور وہ بھی یہاں بیان کیے جائیں گے۔ ان میں یقیناً متن کے الفاظ میں بھی کچھ فرق ہے‘ لیکن واقعاتی تفصیل میں کچھ زیادہ فرق ہے۔ قرآن اور حدیث میں بنیادی فرق میں بارہا بیان کر چکا ہوں کہ قرآن وحی جلی پر مشتمل ہے اور وحی باللفظ ہے‘ یعنی الفاظ اللہ تعالیٰ کے ہیں جبکہ حدیثِ نبوی بھی اگرچہ وحی پر مبنی ہے لیکن وحی خفی ہے۔ اس کے الفاظ متفق علیہ اور محفوظ نہیں ہیں۔ اس لیے کہ راویوں کے بیان میں لفظی طور پر فرق واقع ہو جاتا ہے۔ اس کی سادہ سی مثال ہے کہ آپ کسی محفل میں چند جملے بول لیے اور پھر تھوڑی دیر بعد حاضرین محفل سے

پوچھیے کہ میں نے کیا کہا تھا‘ تو ہر ایک کے بیان میں کچھ نہ کچھ فرق واقع ہو جائے گا۔ البتہ حدیث اپنی روح‘ اپنے ہدف اور مضمون کے اعتبار سے متفق علیہ ہے‘ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اب ہم حضرت عمرؓ سے مروی اس روایت کا سلسلہ وار مطالعہ کرتے ہیں۔ اسے پڑھتے ہوئے اگر ہم اپنے آپ کو اُس ماحول کا حصہ سمجھیں تو اس واقعے کو چشم تصور سے دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ’’اس اثنا میں کہ ایک دن ہم رسول اللہؐ کے پاس بیٹھے تھے‘‘۔ ’’کہ اچانک ایک شخص نمودار ہوا۔ اس کے کپڑے انتہائی سفید اور اس کے بال انتہائی سیاہ تھے (میل اور گرد و غبار کے کوئی آثار نہیں تھے)‘‘۔ ایک روایت میں ’’نہایت خوبصورت انسان‘‘ کے الفاظ بھی ہیں۔ لوگوں نے اُس وقت سوچا ہوگا کہ یہ کون ہیں؟ ’’اس شخص پر سفر کے کوئی آثار نہیں تھے‘‘۔ اگر وہ باہر سے آیا ہوتا تو اُس کے کپڑے گرد آلود ہوتے‘ بالوں میں کچھ غبار ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ باہر سے نہیں آیا ہے۔ ’’اور ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہیں تھا‘‘۔ ایک روایت میں اضافہ ہے: ’’تو لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے‘‘۔ گویا اشاروں سے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ کون ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ پوری مجلس میں ان کا کوئی شناسا نہیں۔ اگر وہ شخص کسی کے ہاں مہمان آیا ہوتا تو وہ میزبان اشارہ کر کے کہہ دیتے کہ یہ میرے مہمان ہیں‘ اور اگر براہِ راست آئے ہوتے تو ان کے بالوں اور کپڑوں پر سفر کے کچھ آثار ہوتے۔ ایک روایت میں ہے کہ ’’ان کی داڑھی کے بال نہایت سیاہ تھے‘‘۔ عام بالوں کی بجائے داڑھی کے بالوں کے تذکرے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عام طور پر عرب اپنے سر کو ڈھانپے ہوئے رکھتے تھے۔ اس لیے اس شخصیت کے داڑھی کے بالوں کا تذکرہ ہے کہ وہ انتہائی سیاہ تھے۔

"یہاں تک کہ وہ نبی اکرمؐ کے پاس آ بیٹھا"۔ ایک روایت میں ہے: "اُس نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا میں حاضر ہو جاؤں؟": "آپؐ نے فرمایا: "ہاں آؤ"۔ بلکہ اس روایت میں ہے کہ آپؐ نے لوگوں سے کہا: "اسے قریب آنے دو" تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے حکم سے مجمع چھٹ گیا ہوگا اور راستہ بن گیا ہوگا' لہٰذا وہ تیر کی طرح سیدھا آیا اور آپؐ کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ "پس اس نے اپنے دونوں گھٹنے رسول اللہؐ کے دونوں گھٹنوں سے ملا دیے"۔ آنجنابؐ بھی دوزانو تشریف فرما ہوں گے اور وہ بھی دوزانو ہو گئے' لہٰذا دونوں کے گھٹنے ایک دوسرے کو چھونے لگے۔ اس جزو کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں' یعنی "اُس نے اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے زانوؤں پر رکھ دیں" یا "اس نے اپنی دونوں ہتھیلیاں آنحضورؐ کے دونوں زانوؤں پر رکھ دیں"۔ اس لیے کہ دونوں طرف ہو سکتی ہے۔ لیکن ایک دوسری روایت میں وضاحت ہے: "اس نے اپنی دونوں ہتھیلیاں رسول اللہؐ کے گھٹنوں پر رکھ دیں"۔ "اور اس نے کہا: اے محمدؐ"۔ ایک روایت میں کے "یا رسول اللہؐ" کے الفاظ ہیں کہ اُس نے کہا: "اے اللہ کے رسولؐ!" "مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے!" ایک روایت میں ہے: "میرے لیے بیان فرمائیے کہ اسلام کیا ہے!"

"تو رسول اللہؐ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں' اور تو نماز قائم کرے' زکوٰۃ ادا کرے' رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے اگر تجھے اس کے لیے سفر کی استطاعت ہو"۔ "اُس شخص نے کہا: آپؐ نے درست فرمایا"۔ "تو ہمیں تعجب ہوا اُس شخص پر کہ رسول اللہؐ سے سوال کرنے کے ساتھ ساتھ تصدیق بھی کر رہا ہے!" یہ انداز تو استاد کا ہوتا ہے کہ شاگرد سے سوال پوچھتا ہے' اور اگر وہ درست جواب بتائے تو اُس کی تصدیق کرتا ہے' اسے شاباش دیتا ہے۔ لیکن

صحابہ کرامؓ خاموش رہے اور سمجھ گئے کہ اس معاملے میں آپ کی اجازت شامل ہے۔

”پھر اُس نے کہا کہ اب مجھے بتایئے کہ ایمان کیا ہے!“ ”رسول اللہؐ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو یقین رکھے اللہ پر' اُس کے فرشتوں پر' اُس کی کتابوں پر' اُس کے رسولوں پر' قیامت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر (کہ جو خیر یا شر کسی پر وارد ہوتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے)“۔ ”وہ شخص بولا: آپؐ نے ٹھیک فرمایا۔“

”پھر اس نے کہا کہ مجھے احسان کے بارے میں بتایئے“۔ ”آپؐ نے فرمایا: (احسان یہ ہے) کہ تم اس کیفیت میں اللہ کی بندگی کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ پس اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے (یہ کیفیت پیدا نہیں ہو رہی) تو (یہ کیفیت تو پیدا ہو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے“۔ ایک روایت میں ”کہ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرے“ اور ایک روایت میں ”کہ تو عمل کرے اللہ کے لیے (یا محنت کرے اللہ کے لیے) کے الفاظ آئے ہیں۔“

”(پھر) اس نے کہا: مجھے قیامت کے بارے میں بتایئے“۔ ”رسول اللہؐ نے فرمایا: جس سے (قیامت کے بارے میں) پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا“۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”یہ غیب کی ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں“ اور پھر رسول اللہؐ نے سورۂ لقمان کی آخری آیت تلاوت کی:

”بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے پاس قیامت کا علم ہے (کہ وہ کب آئے گی)۔ اور وہی بارش برساتا ہے' اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا ہے اور کسی انسان کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کل کیا کمائی کرے گا۔ اور (اسی طرح) کسی کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کی موت کس جگہ واقع ہو گی۔ بے شک اللہ ہی ہر چیز کا علم رکھنے والا (اور) ہر شے سے باخبر ہے۔“

”اُس شخص نے پوچھا: تو مجھے اس کی نشانیاں بتا دیجیے!“ ”آپؐ نے فرمایا: (جب تم دیکھو) کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنے“۔ اکثر کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ اولاد سرکش ہو جائے گی۔ بیٹیاں جو عام طور پر اپنے والدین کا زیادہ ادب کرنے والی ہوتی ہیں‘ والدین کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتی ہیں‘ ان کا حال یہ ہو جائے گا گویا اپنی ماؤں کی مالکہ ہیں‘ مائیں ان سے ڈریں گی کہ ان کی کسی غلط بات پر انہیں ٹوک دیا تو معلوم نہیں وہ کیا ردعمل ظاہر کریں گی۔ ”اور یہ کہ تم دیکھو گے کہ ننگے پاؤں‘ ننگے بدن محتاج‘ بکریاں چرانے والے اونچی اونچی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے“۔ یہ صورت حال آج عالمِ عرب میں صد فیصد موجود ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں حضرت جبرائیلؑ کے پانچویں سوال کا بھی ذکر ہے: ”یا رسول اللہ! بکریاں چرانے والے‘ برہنہ پا‘ بھوکے‘ تنگدست کون لوگ ہیں؟“ ”آپؐ نے فرمایا: وہ عرب ہوں گے“۔ یہ صورتِ حال آج ہمارے سامنے ہے۔ دبئی کہاں سے کہاں پہنچا ہوا ہے! سو سال پہلے یہاں کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا‘ پہننے کے لیے کپڑے نہیں تھے‘ پاؤں میں جوتے نہیں ہوتے تھے۔ پورے عرب کا یہی معاملہ تھا۔ تقریباً ستر اسی برس سے یہ صورتِ حال مکمل طور پر تبدیل ہو گئی ہے‘ جب سے تیل دریافت ہوا ہے۔ اب یہ خوشحالی کہاں تک پہنچ گئی ہے‘ اس کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ عرب کے صحرا گل وگلزار کا نقشہ پیش کر رہے ہیں۔ آپ اگر ابوظہبی کے ایئر پورٹ سے ابوظہبی شہر جائیں تو درمیان میں آپ کو ایسا نقشہ نظر آئے گا گویا یہ چمن زار ہے۔ سڑک کے دونوں طرف ہری بھری گھاس اور پھول ہیں اور سڑک کے دونوں طرف اونچے اونچے پشتے بنا دیے گئے ہیں تاکہ اس سے آگے صحرا کی طرف نگاہ نہ پہنچے۔ اس طرح بہت خوبصورت منظر دکھائی دیتا ہے۔ پھر یہ کہ دبئی میں سیون سٹار ہوٹل ہے۔ دبئی‘ جدہ‘ ریاض وغیرہ کی ساحلی سڑکیں اتنی

عالی شان، آراستہ و پیراستہ اور خوبصورت ہیں کہ اس قدر حسین مناظر میں نے امریکہ میں بھی نہیں دیکھے۔ میرے خیال میں دبئی باقی عرب کے بعد اُبھرنا شروع ہوا لیکن اب سب سے آگے ہے۔

متحدہ عرب امارات (UAE) میں مجھے گئے ہوئے اب تو ایک طویل عرصہ ہوگیا ہے، کیونکہ تیرہ چودہ سال سے میرے وہاں داخلے پر پابندی ہے۔ اس پابندی سے پہلے ایک مرتبہ میں وہاں گیا ہوا تھا اور ایک بلڈنگ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بلند و بالا عالی شان بلڈنگ تھی جسے گرایا جا رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کیا افتاد ہے کہ اسے گرا رہے ہیں؟ ابھی تو یہ شہر آباد ہوا ہے، کوئی پرانی عمارت تو ہے نہیں! کہنے لگے کہ اس کے قریب ایک اس سے اونچی عمارت بن گئی ہے، لہٰذا اب اس عمارت کو گرا کر از سرِ نو مزید اونچی عمارت بنانی ہے۔ گویا عمارتوں کو اونچا کرنے میں وہ ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

حضرت عمرؓ آگے فرماتے ہیں: ’’پھر وہ شخص چلا گیا‘‘۔ ’’تو میں کچھ دیر متردّد سا رہا‘‘۔ میرے ذہن میں یہ الجھن رہی کہ یہ سائل کون تھا۔ ’’پھر رسول اللہؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا: اے عمر! تمہیں معلوم ہوا یہ سائل کون تھا؟‘‘ ’’میں نے کہا: اللہ اور اُس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں‘‘۔ صحابہ کرامؓ کا عام معمول یہی تھا کہ آپؐ کے سوال دریافت فرمانے پر وہ کہتے تھے: ’’اللہ اور اُس کا رسول بہتر جانتے ہیں‘‘۔ ’’یہ جبرائیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے‘‘۔

یہ اختتامی حصہ حضرت عمرؓ کی روایت میں بہت ہی مختصر اور نامکمل ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہی وہ شخص واپس گیا حضرت عمرؓ بھی وہاں سے کسی ضرورت کے تحت روانہ ہوگئے۔ چنانچہ بعد میں جو واقعہ پیش آیا وہ انہیں معلوم نہیں تھا۔ دوسری روایت کے مطابق

ذرا سا توقف کے بعد وہ شخص چلا گیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا: ''اسے واپس میرے پاس لاؤ''۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''اسے تلاش کرو''۔ ''تو انہیں کوئی شے نہیں ملی''۔ اُس آدمی کا کہیں سراغ نہ ملا۔ اس کے بارے میں کچھ معلومات نہیں ملیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جبرائیلؑ تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے''۔ اس کے بعد اور الفاظ بھی ہیں جو مسند احمد میں ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''اُس ہستی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جب کبھی بھی جبرائیلؑ میرے پاس آئے میں اُن کو پہچان لیتا تھا، سوائے اِس مرتبہ کے''۔ حضرت جبرائیلؑ ایک تو فرشتے کی شکل میں تشریف لاتے، اُس وقت غیر مرئی ہوتے، صرف آواز سنائی دیتی تھی۔ ان کی آواز بھی لفظی نہیں تھی، بلکہ گھنٹیوں کی آواز کی طرح ہوتی تھی۔ (جیسے تار گھر میں غرغر ہوتا تھا اور اسی سے پھر پیغام بنالیا جاتا تھا۔) جبرائیلؑ جو پیغام لے کر آتے تھے وہ الفاظ کے ساتھ رسول اللہؐ کے قلبِ مبارک پر اُتر جاتا تھا۔ لیکن متعدد مواقع پر حضرت جبرائیلؑ آپؐ کے پاس انسانی شکل میں آتے تھے جس کا ایک واقعہ یہاں آپ کے سامنے آیا۔ حضرت جبرائیلؑ عام طور پر ایک خوبصورت صحابی حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آتے تھے، لیکن رسول اللہؐ پہچان جاتے تھے کہ یہ دحیہ نہیں ہیں، بلکہ دحیہ کی شکل میں حضرت جبرائیلؑ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''حضرت جبرائیلؑ جس شکل وصورت میں بھی میرے پاس تشریف لاتے تھے میں انہیں پہچان لیتا تھا سوائے اس مرتبہ کے۔''

یہ بھی جان لیجیے کہ آپؐ نے جو فرمایا کہ ''یہ جبرائیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے'' تو اس ضمن میں حضرت ابوہریرہؓ سے متفق علیہ روایت میں یہ اضافی الفاظ بھی آئے ہیں: ''جبرائیلؑ اس لیے آئے تھے کہ انہوں نے چاہا کہ تم وہ چیزیں جان لو جن کے بارے میں تم

نے سوال نہیں کیا‘‘۔ یعنی دین کی بعض حقیقتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں تمھیں سوال کرنا چاہیے تھا لیکن تم نے نہیں کیا‘ لہٰذا حضرت جبرائیلؑ اس خلاء کو پُر کرنے کے لیے آئے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ صحابہؓ نے کہا: ’’ہم نے کسی انسان کو نہیں دیکھا کہ وہ اللہ کے رسولؐ کی اتنی عزت کرتا ہو جتنی کہ وہ شخص کر رہا ہے‘‘۔ ’’ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ رسول اللہؐ سے واقف ہے۔‘‘ یعنی آپؐ کے مرتبے اور آپ کی نبوت و رسالت کو خوب پہچانتا ہے۔

آپ نے اس واقعہ کی ابتدا بھی دیکھ لی اور انتہا بھی۔ اس واقعہ میں حضرت عمرؓ کے جو الفاظ ہیں: ’’تو میں کچھ دیر بڑا متردد رہا‘‘۔ تو اس بارے میں روایات میں آتا ہے کہ ہوسکتا ہے رسول اللہ کی جناب میں حضرت عمرؓ کی حاضری دو تین دن بعد ہوئی ہو‘ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ اور ایک انصاری صحابیؓ دونوں مشترکہ طور پر ایک دکان چلاتے تھے اور حضرت عمرؓ کا ان کے ساتھ ایک معاہدہ تھا کہ ایک دن دکان پر تم بیٹھو گے اور میں رسول اللہ کی صحبت میں رہوں گا اور اگلے دن میں دکان پر بیٹھوں گا اور تم رسول اللہ کی صحبت سے فیض حاصل کرو گے۔ تو شاید اگلے دن آپؓ اپنے اس معاہدے کی وجہ سے نہیں آئے اور دوسرے دن ہوسکتا ہے انہیں کوئی اور مصروفیت ہو۔ اب جب آئے تو رسول اللہؐ نے اُن کے چہرے پر پڑھ لیا کہ یہ متردد سے ہیں‘ کسی تشویش میں ہیں۔ تو رسول اللہؐ نے خود ہی پوچھا: ’’اے عمر! تمھیں معلوم ہوا کہ یہ سائل کون تھا؟‘‘ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ’’میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں‘‘۔ ’’رسول اللہؐ نے فرمایا: یہ جبرائیلؑ تھے جو تمھیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔‘‘

اس حدیث میں جو چار سوال آئے ہیں جن کے رسول اللہؐ نے جوابات دیے ہیں‘ ان میں اہم ترین پہلے دو سوال ہیں‘ یعنی اسلام کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ روایات میں سوالات

کی ترتیب میں بھی فرق ہے۔ ابن عمرؓ کی روایت میں پہلا سوال ایمان کے بارے میں اور دوسرا سوال اسلام کے بارے میں ہے، جبکہ اس روایت اور دوسری اکثر روایات میں پہلا سوال اسلام کے بارے میں ہے اور دوسرا سوال ایمان کے بارے میں۔ بہرحال اسلام اور ایمان کے بارے میں یہ سوالات بہت اہم ہیں، جن کی وضاحت بعد میں ہوگی۔ تیسرا سوال جو ”احسان“ کے بارے میں ہوا، وہ بھی بہت اہم ہے۔ یہ روحانیت کے بارے میں ہے اور ہمارے ہاں تصوف اس کا موضوع بن گیا ہے۔ اس بارے میں بھی آپؐ نے یہاں فرما دیا ہے کہ دین میں روحانیت کے ضمن میں صحیح روش کیا ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ بعد میں دین میں جو خرابیاں پیدا ہوئی ہیں وہ تین گوشوں سے ہوئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جو تبع تابعی تھے، بہت نیک اور مجاہد انسان تھے، اُن کا ایک شعر ہے:

وھل افسد الدین الا الملوک
واحبار سوء و رھبانھا

”دین میں فساد تین طرح سے آتا ہے (یا آیا ہے): ایک بادشاہوں اور سلاطین کے ذریعے سے، دوسرے علماءِ سوء کے ذریعے سے اور تیسرے راہبوں کے ذریعے سے۔“

معلوم ہوتا ہے کہ اُس دَور میں بھی فساد آ چکا تھا۔ اور آج کے دَور میں تو یہ فساد اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ”خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے۔“ اُس دَور کے لوگوں نے محسوس کر لیا کہ اِس فتنہ و فساد کا ذریعہ یہ تین گروہ ہیں۔ ایک تو وہ بادشاہ و سلاطین جو اپنے مفادات کے لیے دین میں تحریف کرواتے ہیں، دوسرے دین فروش اور فتویٰ فروش علماء، جو اپنے دین اور اپنے علم کو کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں، اور تیسرے یہ راہب۔ رہبانیت جب آتی ہے تو دین کے اندر فتور اور فساد پھیلاتی ہے۔

انہی تین گروہوں کے بارے میں علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں کہا ہے:

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری!
اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری!

یعنی اے مسلمان! آج تیرا آئینۂ قلب دھندلا گیا ہے تو اس کی وجہ وہ زخم ہیں جو تجھے تین اطراف سے لگے ہیں۔ یہ زخم لگانے والے تین قسم کے لوگ ہیں: ایک پیشہ ور مذہبی ملا، دوسرے بادشاہ، تیسرے پیری مریدی کرنے والے۔ موجودہ حالات اس کی مکمل عکاسی کر رہے ہیں، الا ماشاءاللہ۔

چوتھا سوال نبی اکرمؐ سے قیامت اور علاماتِ قیامت کے بارے میں ہے۔ اس حدیث میں جو دو علاماتِ قیامت بیان ہوئی ہیں وہ آج روزِ روشن کی طرح ہمارے سامنے آ گئی ہیں، یعنی اولاد کی سرکشی اور نادار لوگوں کا خوشحال ہو کر محلات کی بلندی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنا۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہؐ نے فرمایا:

"میری بعثت میں اور قیامت میں اتنا قرب ہے جتنا اِن دو انگلیوں (شہادت والی انگلی اور درمیانی انگلی) کے مابین ہے۔"

یعنی میرے بعد اب نہ کوئی نبی و رسول آئے گا اور نہ کوئی اُمت آئے گی، بلکہ اب قیامت ہی آئے گی۔ گویا آپ کی بعثت ہی فی نفسہٖ علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ اس کے بعد پھر چھوٹی بڑی علامتیں ہیں۔ کتبِ احادیث میں علاماتِ قیامت کی احادیث پر مشتمل پورے پورے باب باندھے گئے ہیں۔ دلچسپی رکھنے والے حضرات ان کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

پانچواں سوال جبرائیلؑ نے رسول اللہؐ سے یہ کیا کہ یہ: "اصحاب الشاءِ الحفاة الجیاع العالة" کون لوگ ہیں کہ بکریاں چرانے والے، برہنہ پا، بھوکے اور تنگ

دست ہونے کے باوجود قیامت کے قریب اتنے خوشحال ہو جائیں گے کہ بڑی بڑی عمارات میں ایک دوسرے پر مسابقت کی کوشش کریں گے؟ اس سوال کے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ یہ عرب ہوں گے۔ اب جزیرہ نمائے عرب کا مشرقی ساحل اور مغربی ساحل بعینہٖ یہ نقشہ پیش کر رہے ہیں۔ البتہ جنوبی ساحل کے ساتھ صحرا ہے جہاں آبادی ہے ہی نہیں، اسے ''الربع الخالی'' کہتے ہیں۔ یہاں زندگی کا وجود نہیں ہے۔ یہاں کی ریت بھی ایسی ہے کہ اس پر کوئی شے ٹھہر ہی نہیں سکتی، بلکہ نیچے دھنستی چلی جاتی ہے، جیسے دلدل میں ہوتا ہے کہ آدمی کا پاؤں پڑ جائے تو پھر اس کا باہر نکلنا محال ہوتا ہے۔ ایسے صحراؤں کو ''Quick Sands'' کہا جاتا ہے۔ یہ اصل میں قومِ عاد کا مسکن تھا۔ قومِ عاد کی بڑی زبردست تہذیب تھی۔ اسی قوم میں شداد تھا جس نے اپنی جنت بنائی تھی۔ اب شداد کا وہ شہر بھی دریافت ہو گیا ہے جو اِسی ریت کے اندر دبا ہوا ہے۔ اس میں بڑی مضبوط فصیل کے اوپر بہت مضبوط ستون کھڑے نظر آ رہے ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: ''کیا تم نے (اے پیغمبرؐ!) دیکھا نہیں کہ تمہارے ربّ نے کیا برتاؤ کیا اونچے ستونوں والے عادِ ارم کے ساتھ، جن کے مانند کوئی قوم دنیا کے ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی تھی؟'' (الفجر 6تا8)

اب آیئے اس طرف کہ زیرِ مطالعہ حدیث میں جو دو اہم سوال آئے ہیں ''اسلام'' اور ''ایمان'' کے بارے میں، ان کی اہمیت کا پس منظر کیا ہے۔ اکثر اوقات قرآن مجید کے عام پڑھنے والوں کو ''اسلام'' اور ''ایمان'' کے بارے میں اُلجھن ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ ایمان اور اسلام زیادہ تر مترادف الفاظ کے طور پر آتے ہیں۔ مسلم کو مؤمن کہہ دیں، مؤمن کو مسلم کہہ دیں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ گلاب کو کسی بھی نام سے پکاریں وہ یکساں خوشبو دے گا۔ چنانچہ جو اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہے اور اس کے دل میں ایمان و یقین بھی ہے تو آپ اسے مؤمن کہہ دیں

یا مسلم کیا فرق واقع ہوتا ہے! لیکن سورۃ الحجرات کی آیت ۱۴ جس کی آغاز میں تلاوت کی گئی ہے اس میں نہ صرف یہ کہ ''اسلام'' اور ''ایمان'' مترادف نہیں ہیں بلکہ ایمان بمقابلہ اسلام آیا ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

''یہ بدو دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے (اے نبیؐ) ان سے کہہ دیجیے تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو لیکن یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔'' (الحجرات 14)

یہاں پر ''لَمْ تُؤْمِنُوْا'' آیا ہے ''مَا اٰمَنْتُمْ'' نہیں آیا۔ یہ عربی کا قاعدہ ہے کہ اگر ماضی سے پہلے ''ما'' آجائے تو یہ بھی نفی ہے لیکن اس نفی میں شدت اور تاکید نہیں ہوتی' لیکن اگر مضارع سے پہلے ''لم'' آجائے تو یہ تاکیداً نفی ہوتی ہے۔ اس لیے میں نے ''لَمْ تُؤْمِنُوْا'' کا ترجمہ کیا ہے ''تم ہرگز ایمان نہیں لائے''۔ یہاں ایک تضاد کی سی شکل بن گئی ہے کہ ایمان اور اسلام مترادف ہیں یا ایک دوسرے کی ضد؟ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں بدوؤں کا اسلام تو قبول کیا جا رہا ہے بایں الفاظ: ''لیکن تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں'' لیکن ایمان کی پُرزور نفی کی جا رہی ہے کہ: ''تم ہرگز ایمان نہیں لائے'' اور: ''اور ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔''

اسلام اور ایمان کے علاوہ قرآن حکیم میں کچھ اور الفاظ بھی ہیں جو باہم مترادف بھی آئے ہیں اور باہم متضاد بھی' جیسے ''نبی'' اور ''رسول''۔ ان کے بارے میں علماءِ کرام نے ایک اصول بنایا ہے کہ: **اذا تفرقا اجتمعا و اذا اجتمعا تفرقا** جب یہ الفاظ علیحدہ علیحدہ آئیں گے تو ان کا مفہوم ایک ہی ہو گا اور جب ایک مقام پر آئیں گے تو ان کے معنی جدا جدا ہو جائیں گے''۔ لہٰذا اسلام اور ایمان جب ایک ساتھ آئیں گے تو اسلام کے معنی اور

ہوں گے ایمان کے اور ہوں گے۔ یہی معاملہ ''نبی'' اور ''رسول'' کا ہے۔ جب ان کا علیحدہ علیحدہ ذکر ہو رہا ہو گا تو وہاں پر نبی کو رسول اور رسول کو نبی کہہ دینے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ لیکن جہاں دونوں لفظ ایک ہی جگہ پر آئیں تو وہاں نبی اور رسول کا فرق واضح ہو جائے گا۔ پس ایک تو یہاں ''اسلام'' اور ''ایمان'' کے ضمن میں پیدا ہونے والی اُلجھن کا حل مطلوب ہے۔ دوسرے یہ کہ بعض ایسی احادیث موجود ہیں جن میں انسان کے بعض اعمال پر اس کے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ جیسے رسول اللہ ؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

> ''کوئی زانی حالتِ ایمان میں زنا نہیں کرتا' کوئی چور حالت ایمان میں چوری نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی شرابی حالتِ ایمان میں شراب پیتا ہے۔''

جب کوئی شخص یہ کام کر رہا ہوتا ہے تو ایمان اُس کے دل سے رخصت ہو چکا ہوتا ہے۔ یہ بات نا قابلِ یقین ہے کہ ایمان بھی ہو اور یہ کام بھی ہو رہے ہوں۔ اس بات کی بعض احادیث میں وضاحت موجود ہے کہ اس دوران ایمان اُس کے دل سے نکل کر اُس کے سر پر ایک پرندے کی مانند چکر لگاتا رہتا ہے۔ اور علماء کا اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ وہ انسان جونہی اس عمل سے فارغ ہوتا ہے تو ایمان دوبارہ اس کے دل میں آ جاتا ہے۔ حالانکہ منطقی طور پر تو یہ ہونا چاہیے کہ انسان توبہ کرے تب ہی اس کا ایمان واپس آئے' لیکن اس معاملے میں اللہ کی شانِ رحیمی وغفاری منطق پر سبقت لے جاتی ہے' جیسے کہ ایک مقام پر بیان ہوا ہے: بہر حال اس سے ایک بات ثابت ہو جاتی ہے کہ گناہِ کبیرہ سے گویا ایمان کی نفی ہوتی ہے۔

یہ وہ چیز ہے جس کو صحیح طور پر نہ سمجھنے سے بہت بڑی گمراہی پیدا ہوئی۔ چنانچہ اسلام میں سب سے زیادہ گمراہ فرقہ ''خوارج'' اسی بنیاد پر گمراہی کا شکار رہا۔ انہوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور جب کافر ہے تو گویا مرتد ہے' لہٰذا اس کی جان اور مال مباح ہے' اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا مال لے لیا جائے' وہ مالِ غنیمت ہوگا۔ اس کی عورتیں

مباح ہو جائیں گی، وہ لونڈیاں بن جائیں گی۔ یہ خوارج کا فتنہ بہت خطرناک فتنہ تھا۔ یہ فتنہ حضرت علیؓ کے زمانے ہی میں پیدا ہو گیا اور بعد میں بڑھتا چلا گیا۔ ان لوگوں کو جو غلط فہمی پیدا ہوئی تھی وہ اصل میں انہی احادیث سے ہوئی تھی۔ حالانکہ بعض احادیث میں یہ اسلوب گناہِ کبیرہ سے بھی کمتر گناہوں اور کوتاہیوں کے لیے بھی آیا ہے۔ ایک حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''خدا کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں ہے، خدا کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں ہے، خدا کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں ہے''۔ ''پوچھا گیا: اے اللہ کے رسولؐ! کون؟'' فرمایا: ''وہ شخص جس کی ایذا رسانیوں سے اس کا پڑوسی امن میں نہیں ہے''۔ اب یہاں کسی گناہِ کبیرہ کا ذکر تو نہیں ہے، بلکہ صرف بداخلاقی کا معاملہ ہے۔ کوئی شخص اپنے اخلاق میں اتنا گرا ہوا ہے کہ اس کی وجہ سے اس کا پڑوسی بے چین اور پریشان ہے تو ایسے شخص کے بارے میں آپؐ تین دفعہ قسم کھا کر اس کے ایمان کی نفی کر رہے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ ایمان کی نفی کے معنی لازماً کفر نہیں ہیں، جیسا کہ خوارج نے سمجھ لیا، بلکہ کفر اور ایمان کے مابین ایک مقام ''اسلام'' کا ہے۔ لہٰذا ایسا شخص مسلمان شمار ہوگا۔ چوری کرتے ہوئے بھی مسلمان ہے، شراب پیتے ہوئے بھی مسلمان ہے اور زنا کرتے ہوئے بھی مسلمان ہے۔ عین اُسی حالت میں جان نکل جائے تو بھی اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اگرچہ اس کا جرم ثابت ہو جانے پر حد جاری کی جائے گی۔ اسی طرح قرآن مجید کے بعض مقامات پر دو ایمانوں کا ذکر ہے۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۳۶ میں فرمایا:

> ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اُس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور ہر اُس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے۔''

اس کا مفہوم یہ ہے کہ قانونی اعتبار سے جب تم مسلمان ہو تو ایک درجے میں مؤمن بھی ہو لیکن اصل ایمان کچھ اور ہے جس کی ابھی ضرورت ہے۔

رمضان المبارک کے فضائل و احکام

(حافظ محمد یٰسین)

رمضان کا روزہ اسلام کا تیسرا اہم رکن ہے۔ روزے کو عربی میں صوم یا صیام کہتے ہیں جس کے معنی ہیں کسی چیز سے رک جانا اور اس کو ترک کر دینا۔ شریعت کی اصطلاح میں صوم سے مراد ہے کہ آدمی صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی ضرورت پوری کرنے سے باز رہے۔ ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد رمضان کے روزے مسلمانوں پر فرض کئے گئے اور حکم دیا گیا۔ ”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے“۔

روزہ فرض عین ہے جو شخص اس کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو کسی عذر شرعی کے بغیر نہ رکھے وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے۔ روزے کی اہمیت واضح فرماتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا۔

”جو شخص کسی عذر اور مرض کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے وہ اگر عمر بھر بھی روزے رکھے تب بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی“۔

روزے کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ آدمی میں تقویٰ پیدا ہو۔ تقویٰ دراصل اس ”اخلاقی جوہر“ کا نام ہے جو خدا کی محبت اور خوف سے پیدا ہوتا ہے۔ خدا کی ذات پر ایمان اور اس کی صفت رحمت و کرم اور فضل و احسان کے گہرے احساس سے جذبہ محبت جنم لیتا ہے اور اس کی صفت قہر و غضب اور عذاب و عتاب کے شعوری تصور سے جذبہ اخوت اُبھرتا ہے اور محبت و خوف کی یہ قلبی کیفیت ہی تقویٰ ہے جو تمام اعمالِ خیر کا اصل سرچشمہ اور تمام اعمال بد سے روکنے کا حقیقی ذریعہ ہے لیکن روزے کا یہ عظیم مقصد اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب روزہ پورے احساس و شعور کے ساتھ رکھا جائے اور تمام مکروہات سے اس کی حفاظت کی جائے جن

کے اثر سے روزہ بے جان ہو جاتا ہے۔ حقیقی روزہ دراصل وہی ہے جس میں آدمی قلب و روح اور اس کی ساری صلاحیتوں کو خدا کی نافرمانی سے بچائے اور نفس کی ہر بری خواہش کو روند ڈالے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے ”جب تو روزہ رکھے تو لازم ہے کہ تو اپنے کانوں، اپنی آنکھوں، اپنی زبان، اپنے ہاتھ اور اپنے سارے اعضاء جسم کو خدا کی ناپسندیدہ باتوں سے روک رکھے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے باز نہ رہا تو خدا کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں“۔

آپ ﷺ نے متنبہ فرمایا۔ ”کتنے ہی روزے دار ایسے ہوتے ہیں کہ روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا ان کو کچھ حاصل نہیں ہوتا“۔

روزے کے فرائض: روزے میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک تین باتوں سے رُکا رہنا فرض ہے۔

1- صبح صادق سے غروب آفتاب تک کچھ نہ کھانا۔
2- صبح صادق سے غروب آفتاب تک کچھ نہ پینا۔
3- صبح صادق سے غروب آفتاب تک جنسی لذت کے حصول سے پرہیز کرنا۔

روزے کے سنن و مستحبات:

1- سحری کا اہتمام کرنا سنت ہے چاہے وہ چند کھجوریں یا چند گھونٹ پانی ہی ہو۔
2- سحری آخیر وقت میں کھانا مستحب ہے، جبکہ صبح صادق ہونے میں کچھ ہی دیر باقی ہو۔
3- روزے کی نیت رات ہی سے کر لینا مستحب ہے۔
4- افطار جلد کرنا یعنی سورج ڈوب جانے کے بعد خواہ مخواہ دیر نہ کرنا مستحب ہے۔
5- چھوہارے، کھجور یا پانی سے افطار کرنا مستحب ہے۔

-6 غیبت، چغلی، غلط بیانی، شوروہنگامہ اور غصہ وغیرہ سے بچنے کا اہتمام مستحب ہے۔

وہ حالات جن میں روزہ توڑ دینا جائز ہے:

-1 اچانک کوئی زبردست دورہ پڑ گیا۔ یا کوئی ایسی بیماری ہوگئی کہ جان پر بن آئی یا پھر خدانخواستہ کوئی حادثہ موٹر وغیرہ کی وجہ سے ہوگیا یا کسی اونچے مقام سے گر پڑنے کی وجہ سے حالت غیر ہوگئی تو ان تمام صورتوں میں روزہ توڑ دینا جائز ہے۔

-2 اگر کوئی اچانک بیمار پڑ گیا اور یہ اندیشہ تو نہیں ہے کہ جان جاتی رہے گی البتہ یہ اندیشہ ہے کہ اگر روزہ نہ توڑا تو بیماری بہت بڑھ جائے گی تو روزہ توڑنے کی اجازت ہے۔

-3 اگر کسی کو ایسی شدت کی بھوک یا پیاس لگی کہ نہ کھانے پینے سے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تب بھی روزہ توڑ دینا درست ہے۔

-4 کسی حاملہ خاتون کو کوئی ایسا حادثہ پیش آ گیا کہ اپنی یا بچے کی جان کا ڈر ہے تو اس صورت میں بھی روزہ توڑ دینے کا اختیار ہے۔

-5 کسی کو سانپ وغیرہ نے کاٹ کھایا اور فوراً دوا وغیرہ کا استعمال ضروری ہے تو روزہ توڑ دینا چاہیے۔

-6 کمزوری تو تھی لیکن ہمت کر کے روزہ رکھ لیا۔ دن میں محسوس ہوا کہ اگر روزہ نہ کھولا تو جان پر بن آئے گی یا مرض کا شدید حملہ ہو جائے گا تو اس صورت میں بھی روزہ توڑ دینے کی اجازت ہے۔

وہ معذوریاں جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے:

ایسی معذوریاں جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے صرف دس ہیں۔ ان میں کوئی معذوری بھی ہو تو روزہ چھوڑ دینے کی اجازت ہے۔

-1 سفر -2 بیماری -3 حمل -4 ارضاع یعنی بچے کو دودھ پلانا -5 جہاد -6 بھوک، پیاس کی

شدت 7- ضعف اور بڑھاپا 8- خوف اور ہلاکت 9- بے ہوشی 10- جنون۔

روزہ افطار کرانے کا اجروثواب : دوسرے لوگوں کو افطار کرانا بھی پسندیدہ عمل ہے۔ اور روزہ افطار کرانے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا روزہ رکھنے والے کو ملتا ہے چاہے وہ چند لقمے ہی کھلائے یا ایک کھجور سے ہی افطار کرادے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔ ''جس شخص نے کسی روزے دار کو افطار کرایا تو اس کو روزے دار کی طرح اجروثواب ملے گا''۔

بے سحری کا روزہ : شب میں سحری کھانے کیلئے اگر آنکھ نہ کھلے تب بھی روزہ رکھنا چاہئے، سحری نہ کھانے کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا بڑی کم ہمتی ہے۔ محض سحری نہ کھانے کی وجہ سے روزہ چھوڑنا گناہ ہے۔ اگر کبھی آنکھ دیر سے کھلی اور یہ خیال ہوا کہ ابھی رات باقی ہے اور کچھ کھا پی لیا پھر معلوم ہوا کہ صبح صادق کے بعد کھایا پیا ہے تو اگرچہ اس صورت میں روزہ نہ ہوگا۔ لیکن پھر دن بھر روزہ داروں کی طرح رہے اور کچھ نہ کھائے پیئے۔

اگر اتنی دیر سے آنکھ کھلی کہ صبح ہو جانے کا شبہ ہے تو ایسے وقت میں کھانا پینا مکروہ ہے اور اگر شبہ ہو جانے کے باوجود کھا پی لیا تو بہت برا کیا ایسے وقت میں کھانا گناہ ہے۔ پھر اگر بعد میں معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی تو قضا واجب ہے اور اگر شبہ رہے تو قضا واجب نہیں لیکن احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ روزہ رکھے۔

روزے کی شرائط : روزے کی شرطیں دو قسم کی ہیں۔

1- شرائط وجوب 2- شرائط صحت

روزہ صحیح ہونے کیلئے جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے ان کو شرائط صحت کہتے ہیں اور روزہ واجب ہونے کیلئے جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے ان کو شرائط وجوب کہتے ہیں۔

روزے کیلئے شرائط وجوب : روزہ واجب ہونے کی چار شرطیں ہیں۔

1- اسلام، کافر پر روزہ واجب نہیں۔ 2-بلوغ ۔ نابالغ بچے پر روزہ واجب نہیں۔

3- صوم رمضان کی فرضیت سے واقف ہونا۔

4- معذور نہ ہونا یعنی کوئی ایسا عذر نہ ہو جس میں شریعت نے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے مثلاً بڑھاپا، مرض، جہاد وغیرہ۔

روزے کی شرائطِ صحت : روزہ صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں۔

1-اسلام، کافر کا روزہ نہیں 2- خواتین کا حیض و نفاس سے پاک ہونا 3- نیت کرنا یعنی دل میں روزہ رکھنے کا ارادہ کرنا، روزہ رکھنے کا ارادہ کیے بغیر اگر کوئی شخص دن بھر ان چیزوں سے رُکا رہا جن سے روزے میں رُکا جاتا ہے تو اس کا روزہ صحیح نہ ہوگا۔

روزے کی اقسام اور ان کا حکم: روزے کی چھ قسمیں ہیں۔ جن کی تفصیل اور احکام جاننا نہایت ضروری ہے۔

1-فرض۔ 2-واجب۔ 3-سنت۔ 4-نفل۔ 5- مکروہ۔ 6-حرام

فرض روزے: سال بھر میں صرف رمضان المبارک کے تیس روزے مسلمانوں پر فرض ہیں۔ رمضان کے روزوں کا فرض ہونا قرآن و حدیث سے صراحتاً ثابت ہے۔ جو شخص روزہ رمضان کے فرض ہونے کا انکار کرے وہ کافر اور خارج از اسلام ہے۔

واجب روزے : واجب روزے، نذر کے روزے، کفارے کے روزے ہیں۔ اگر کسی متعین دن کے روزے کی نذر مانی ہے تو اس دن رکھنا ضروری ہے اور اگر دن متعین نہیں کیا ہے تو پھر جب چاہیں رکھ سکتے ہیں لیکن بلاوجہ تاخیر نہ کرنا چاہیے۔

سنت روزے : جو روزے خود نبی اکرم ﷺ نے رکھے یا جن کے رکھنے کی آپ ﷺ نے ترغیب دی ہے یہ روزے سنت ہیں اور ان کے رکھنے کا بڑا اجر و ثواب ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی روزہ سنت موکدہ نہیں کہ جن کے نہ رکھنے سے آدمی گناہ گار ہو۔ مسنون روزے یہ ہیں۔ 1- عاشورے کے روزے 2- یوم عرفہ کا روزہ یعنی ذوالحجہ کی نویں تاریخ کا روزہ 3- ایام بیض کے روزے یعنی ہر مہینے کی 13، 14، 15 تاریخ کے روزے۔

نفلی روزے : نفلی روزے وہ روزے ہیں جو فرض، واجب اور مسنون روزوں کے علاوہ ہیں۔ البتہ بعض مستحب روزے ایسے بھی ہیں جن کے اہتمام کا اجر و ثواب زیادہ ہے۔ مثلاً 1- ماہ شوال کے چھ روزے، ان کو عرف عام میں شش عید کے روزے کہتے ہیں 2- پیر اور جمعرات کے دن کا روزہ 3- ماہِ شعبان کی پندرہویں کا روزہ 4- ذوالحجہ کے ابتدائی عشرے کے آٹھ روزے۔

مکروہ روزے : 1- صرف ہفتہ یا اتوار کے دن کا روزہ رکھنا۔
2- صرف یوم عاشورہ کا روزہ رکھنا۔
3- کسی خاتون کا شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا۔
4- درمیان میں ناغہ کئے بغیر مسلسل روزے جس کو صوم وصال کہتے ہیں۔

حرام روزے : سال بھر میں یہ روزے حرام ہیں۔
1- عیدالفطر کے دن کا روزہ
2- عیدالاضحٰی کے دن کا روزہ
3- ایام تشریق
4- 11,12,13 ذوالحجہ کا روزہ

(ماخوذ از! آسان فقہ)

سنت نبوی ﷺ

(حکیم محمد سعیدؒ)

آؤ سنت نبوی ﷺ سے محبت کریں۔ یہ صدا جس میدان میں لگائی جا رہی ہے وہ مسلمان کی زندگی کا ایسا میدان ہے جس میں محبت کی کوئی کمی کبھی نہیں رہی۔ حرا کی شب نور سے لے کر آج کے ظلمت کدۂ جہاں تک چودہ صدیوں کے طویل عرصے میں ایک گھڑی بھی ایسی نہیں گزری جس میں اسلام کے سچے علم برداروں کے دلوں میں ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و شیفتگی کے جذبے میں کمی پائی گئی ہو۔ یہ تو ممکن ہے کہ زمان و مکاں کے تغیرات کی بدولت اور حوادث فکر و شعور کی وجہ سے رسولؐ سے عشق و محبت کے مظاہر میں کوئی فرق پیدا ہوا ہو، لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عشق نبیؐ کی حرارت ایمانی کو اس وقت تک سرد ہوتے نہیں دیکھا گیا جب تک کسی مسلمان فرد یا قوم نے اسلام ہی کو سرے سے بھلا نہ دیا ہو۔ قرنِ اوّل میں تو مسلمانوں کے اس عشق کی شان ہی جداگانہ تھی۔ تاریخ آج بھی انگشت بدنداں ہے کہ ویرانہ عالم عرب میں یکا یک یہ بہار کہاں سے آئی! یہ جو کچھ ہوا اتنی وارفتگی، اتنی ہمہ گیری، اتنا حسن و پاکیزگی اور اتنے تواتر و تسلسل سے ہوا کہ عام اسباب و علل کے منطقی جائزے کی گرفت سے باہر ہے۔ یہ نادر تصور انقلاب اور کہیں نظر نہیں آتا کہ ایک شخص بت پرستی کی ماری ہوئی دنیا کو توحید و رسالت کی آفاقیت کی طرف بلاتا ہے اور پھر اس دعوت کے دوران لوگوں کو بار بار خبردار کرتا ہے کہ وہ انھی جیسا انسان ہے اور بشر کی حیثیت سے اللہ کا رسول ﷺ ہے۔ وہ اس خدشے کی جڑ کاٹ دینے پر اپنا سارا زور لگا دیتا ہے کہ اس کے پیرو کار اسے فوق البشر

ہستی نہ سمجھ بیٹھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ان کے دل و دماغ میں یہ بات بھی اتار دینے میں کامیاب ہے کہ بحیثیت رسول ﷺ اس کا ہر قول و فعل واجب الاطاعت ہے۔ انسان کی گمراہی کا ایک بہت بڑا سبب ہمیشہ یہ رہا ہے کہ اس کا عجائب پرست اور اوہام پرست ذہن بشر کو رسول اور رسول کو بشر تسلیم کرنے میں ٹھوکریں کھاتا ہے۔ وہ کبھی بشر کو اللہ کی برابری کے درجے تک لے جاتا ہے اور کبھی اللہ کو بشر کے مقام تک لے آتا ہے' لیکن یہ سیدھی سی حقیقت اسے نظر نہیں آتی کہ انسان کی رہنمائی کے لیے نمونہ ہدایت ایک ایسا انسان ہی بن سکتا ہے جو وحی الٰہی کا تربیت یافتہ بھی ہو اور پیامبر بھی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہدایت قرآن حکیم نے کثرت کے ساتھ یہ تاکید فرمائی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں ختم المرسلین ہیں۔ ان کی رسالت ہمہ گیر اور دائمی ہے۔ ان کی عزت افزائی نہیں' اہانت ہے۔ ان کا اتباع خود ذات باری ہے' کیوں کہ وہ احکام الٰہی کے ترجمان و شارح ہیں۔ ارشاد باری ہے:

(درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہیں میں سے ایک ایسا پیغمبر مبعوث فرمایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے' ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔)

ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے:

(اے نبی ﷺ! لوگوں سے کہہ دو کہ ”اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔“ ان سے کہو کہ ”اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔“ پھر اگر

وہ تمھاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے، جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔)

قرآن حکیم میں اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے:

(اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے اتاری گئی ہے، اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور و فکر کریں)

ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے:

(درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول کی حیات مبارک ایک بہترین نمونہ تھا، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے) باری تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے:

(وہ انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندش کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے) اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یہ بھی ہدایت فرمائی:

(''جو کچھ رسول تمہیں دے، وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دیں اس سے رُک جاؤ۔ اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔'')

رسول اللہ کو مخاطب کر کے یہ بھی واضح کیا گیا:

(اے نبی ﷺ! ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے تمھیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔'')

(ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بلائے

جائیں تا کہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔")

اس کے ساتھ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ تنبیہہ کرائی گئی:

(اے نبی ﷺ! ان سے کہو' پاک ہے میرا پروردگار! کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں''؟)

قرآن مجید کی ان تعلیمات پر اگر آپ صاف ذہن کے ساتھ غور فرمائیں تو اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ توحید الٰہی اور رسالت محمدی ﷺ میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دائرہ اسلام میں داخلے کی مسلمہ کلید کلمہ طیبہ: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ کتاب الٰہی میں جگہ جگہ اسی کی تائید وتشریح پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر ایمان' ان کے فہم وادراک اور ان کی تعمیل وتنفیذ کا کوئی تصور اس کے سوا ممکن ہی نہیں ہے کہ جو فرمان وحی کے مطابق صاحب وحی جن پر دین مکمل ہو چکا اور نبوت ورسالت ختم کر دی گئی' کی طرف پورے خشوع وخضوع اور ادب واحترام کے ساتھ رجوع کیا جائے۔ یہ طریق کار اسی طرح لازمی اور ناگزیر ہے جس طرح ہدایت ربانی کا حصول انسان کے لیے لازمی ہے۔ اگر کوئی پاک نیت' صاف ذہن اور کھلے دل کے ساتھ اس ہدایت کی تلاش میں نکلے اور فرار کا کوئی حیلہ اس کی بصیرت پر تاریکی کا غلاف نہ چڑھا چکا ہو تو اسے اصل حقیقت کو پا لینے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوگی' لیکن اگر کج بینی' کج فہمی اور کج روی کو خود اپنے ہاتھوں سے مقدر ہی بنا لیا جائے تو اندھی آنکھوں کو سورج کی روشنی نصف النہار پر بھی تاریک نظر آتی ہے۔

صدیوں پہلے خوارج نے اپنے مخصوص عقائد وعزائم کی تکمیل کی غرض سے حدیث و سنت سے انکار کیا تھا۔ اسی طرح دور جدید میں کچھ فکری ففتھ کالمسٹ لوگ اسلام کو اپنی پسند کا

ایڈیشن پیش کرنے کے لیے حدیث کو مجموعی طور پر مشتبہ اور سنت کو متروک بنا کر دکھاتے ہیں۔ اس کام کو انجام دینے کے لیے انھوں نے قرآن مجید کی آیات کو جس طرح خود توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے' اس پر انگریزی زبان کی وہ معروف کہاوت معاً ذہن میں آجاتی ہے جس سے ہر تعلیم یافتہ شخص واقف ہے۔ تاہم ان کی ساری ستم آرائیاں اس حقیقت کی پردہ پوشی نہیں کر سکیں کہ اسلام کی اساس جس طرح اور جس قدر توحید باری پر ایمان اور عمل پر ہے' ٹھیک اسی قدر اور اسی طرح سنت نبوی پر ایمان اور عمل پر بھی ہے۔ سنت رسول ﷺ سے محبت کا یہی عنوان ہے جس کے بارے میں اقبال اپنے بے مثال پیرائے میں کہتا ہے:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات

تمناء کی یہ تڑپ ہماری آرزوئے حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان و شعور کی روشنی اور علم و عمل کے ہر میدان میں سنت نبوی کی محبت سے سرشار فرمائے۔

دعائے مغفرت

راولپنڈی سے خواجہ ولی محمد بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں

(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعوْنَ)

مرحوم کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

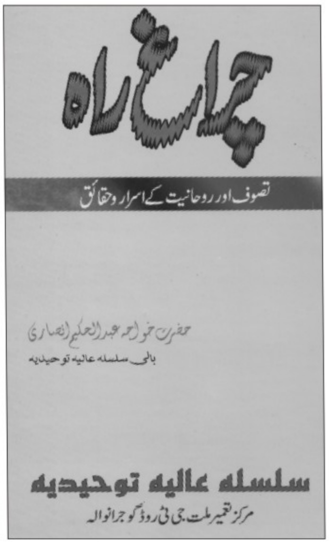

چراغ راہ
تصوف اور روحانیت کے اسرار وحقائق
حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری
بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

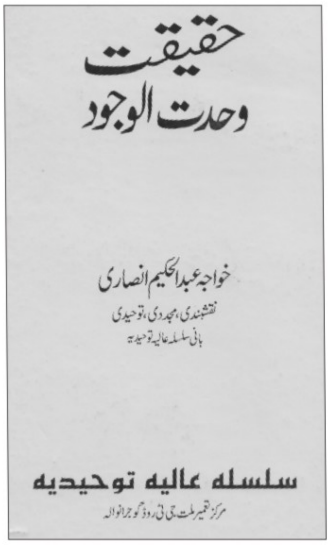

حقیقت
وحدت الوجود
خواجہ عبدالحکیم انصاری
نقشبندی، مجددی، توحیدی
بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں: ۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات

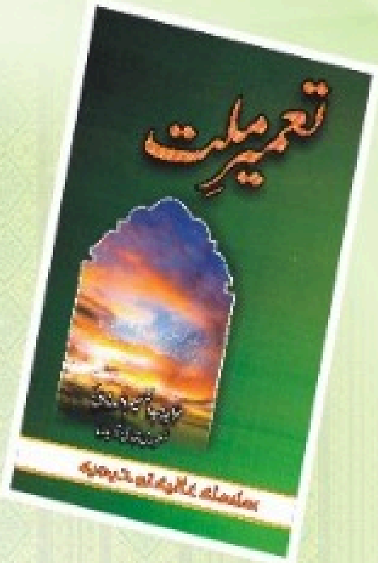

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

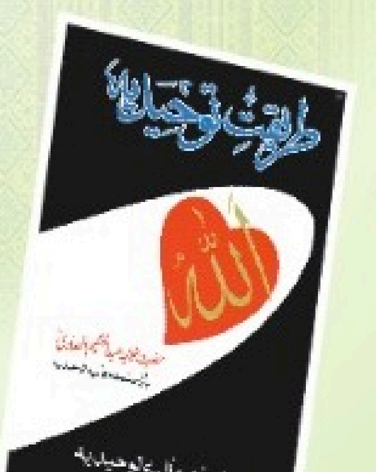

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں، جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com